حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان

الجماعة

مارچ–اپریل ۲۰۲۶ء

تکبیرات عیدین

"اَللهُ أَكْبَرُ ، اَللهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ،
وَاللهُ أَكْبَرُ اَللهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ"

اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے،
اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑا ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کیلیے ہیں۔
{یہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر سلف صالحین سے ثابت ہے}

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۱۶۵–۱۶۸ و إرواء الغلیل: ۳/ ۱۲۵)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يد الله على الجماعة

حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان

مجلّہ

الجماعۃ

خصوصی شمارہ

رمضان-شوال ۱۴۴۷ھ ● مارچ-اپریل ۲۰۲۶ء

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو۔ایل.بی.ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070

9892255244 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com @JamiatSubai

subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.com majallahaljamaah@gmail.com

نگارشات

حلقۂ قرآن

انفاق کے چند اہم مصارف

● شیخ رفیع اللہ سلفی (داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

قال اللہ تعالیٰ:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَآ أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِهِۦ عَلِيمٌ﴾ [البقرة:۲۱۵]

''آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے جو مال تم خرچ کرو وہ ماں باپ کے لئے ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اور تم جو کچھ بھلائی کروگے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے''۔

۱- چند مالدار صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے سوال کئے جن کے جواب میں یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ سوال تو یہ تھا کہ کیا خرچ کریں؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے جواب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا کہ خرچ کن پر کرنا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ تو پہلے بتادیا گیا ہے: ﴿وَمَا تُنفِقُوا۟ مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ﴾ [البقرة:۲۷۲]

''تم جو بھی مال خرچ کرتے ہو اپنے ہی لئے خرچ کرتے ہو''۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نفلی صدقات کن پر خرچ کرنے کی ترتیب بتلائی ہے۔ جبکہ فرضی زکوٰۃ وصدقات سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَٱلْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَٱلْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِى ٱلرِّقَابِ وَٱلْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [التوبة:٦٠]

''صدقے (زکوٰۃ) صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کی دلجوئی کرنا مقصود ہو اور گردن چھڑانے میں اور قرض داروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لئے، فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم وحکمت والا ہے''۔

۲- نفلی صدقات جہاں انسان مناسب سمجھے خرچ کرسکتا ہے تاہم سب سے پہلے والدین پھر درجہ بدرجہ اقارب، یتیم مسکین، فقراء اور مسافروں پر خرچ کرنا افضل ہے۔

والدین:

انسان کا اولین فریضہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اپنے والدین، بیوی، بچوں اور بہن، بھائیوں پر۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَفْضَلُ دِينارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ، دِينارٌ على

عِيالِهِ".[صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ علی العیال:۹۹۴، ترمذی:۹۶۶]

''افضل ترین دینار وہ ہے جسے کوئی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے''۔

اور وہ دینار افضل ہے جسے کوئی اپنے اس جانور پر خرچ کرے جو اللہ کی راہ میں لڑائی کے لئے (باندھا ہوا ہے) اور وہ دینار ہے جسے کوئی اللہ کی راہ میں اپنے (مجاہد) ساتھیوں پر خرچ کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إن أطيبَ ما أكَلْتُم مِن كَسْبِكُمْ . وإنّ أولادَكُمْ مِن كَسْبِكُمْ".[سنن ابن ماجہ، التجارات، باب ماللرجل من مال ولدہ:۲۲۹۰، ابوداؤد:۳۵۲۸، ترمذی:۱۳۵۸]

''بلاشبہ سب سے پاکیزہ چیز جسے تم کھاؤ وہ ہے جو تمہاری کمائی کی ہو اور یقیناً تمہاری اولاد تمہاری کمائی میں سے ہی ہے''۔

اقارب (رشتہ دار):

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے متعلق مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ﴾ [البقرۃ:۸۳]

''ماں باپ اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو''۔

﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ [بنی اسرائیل:۲۶]

''قرابت داروں کو اس کا حق دو''۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ فی سبیل اللہ دینا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے رشتہ دار کو دے دو اللہ دوہرا اجر دے گا۔

جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں یہ لفظ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ".[ترمذی، الزکوٰۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ:۶۵۸، ابن ماجہ:۱۸۴۴ صحیح]

''مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے میں دو چیزیں شامل ہیں یعنی صدقہ اور صلہ رحمی''۔

یتیم:

یتیم ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بچپن میں اپنے باپ کے سایہ سے محروم ہوجائے ایسے بچوں کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے ایسے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والے کو جنت کی بشارت سنائی گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ".[صحیح بخاری، الادب، باب فضل من یعول یتیما:۶۰۰۵]

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ہوں گے''۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا وہ اپنے دل کی سختی کی شکایت کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہوجائے اور تیری ضرورت پوری ہوجائے؟ تو تو:

"اِرحَمِ اليَتيمَ و امسَحْ رأسَهُ، و أطعِمْهُ مِن طَعامِكَ، يَلِنْ قَلبُكَ و تُدرِكْ حاجَتَكَ".[صحیح الترغیب، البر والصلۃ، باب الترغیب فی کفالۃ:۲۵۴۴]

''یتیم پر رحم کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر اور اسے اپنے کھانے سے کھانا کھلا، تیرا دل نرم ہوجائے گا اور تیری ضرورت بھی پوری ہوجائے گی''۔

مسکین:

مساکین بھی ہمارے صدقات وخیرات کے مستحق ہیں مسکین ایسا ضرورت مند جس کے مسائل زیادہ اور وسائل کم ہیں لیکن یہ لوگوں سے مانگنے سے بچتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ليسَ المِسْكِينُ الذي تَرُدُّهُ الأُكْلَةُ والأُكْلَتانِ، ولَكِنِ المِسْكِينُ الذي ليسَ لَهُ غِنًى، ويَسْتَحْيِي، أَوْ لا يَسْأَلُ النَّاسَ إلْحَافًا''. [صحیح بخاری، الزکاۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ ٱلنَّاسَ إِلْحَافًا﴾ ۱۴۷۶، ۱۴۷۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۹]

''مسکین وہ نہیں جسے ایک دو لقمے دردر پھرائیں، مسکین تو وہ ہے جس کے پاس مال نہیں، لیکن اسے سوال سے شرم آتی ہے اور وہ لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگتا''۔

قرآن مجید میں ہلاکت میں گھرے ہوئے شخص کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

﴿وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ ٱلْمِسْكِينِ﴾ [الماعون: ۳]

''اور وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی رغبت تک نہیں دلاتا''۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا۟ لَمْ نَكُ مِنَ ٱلْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ ٱلْمِسْكِينَ﴾ [مدثر: ۴۲-۴۴]

''اہل جنت (اہل دوزخ سے) پوچھیں گے کس چیز نے تمہیں دوزخ میں ڈالا؟ اہل دوزخ جواب دیں گے! ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے''۔

مسافر:

مسافر اگرچہ غنی اور اہل وعیال میں غنی تھا وہ دوران سفر محتاج ہوگیا تو ایسے شخص کے لیے جائز ہے کہ ضرورت کے مطابق سوال کرسکے اور مالدار کو اس کی تلقین کی گئی ہے مثلاً سورہ نساء: ۳۶/۴ وانفال: ۴۱/۱۰ وغیرہ صحیح بخاری میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وإنَّ هٰذا المَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ ، فَنِعْمَ صَاحِبُ المُسْلِمِ مَا أعْطىٰ مِنْهُ المِسْكِينَ وَالْيَتِيْمَ وَابْنَ السَّبِيْلِ''. [صحیح بخاری، الزکاۃ، باب الصرفۃ علی الیتامی: ۱۴۶۵، صحیح مسلم: ۱۰۵۲، ابن ماجہ: ۳۹۹۵]

''بلاشبہ یہ مال ایک خوشگوار سبزہ زار کی مانند ہے اور مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو مسکین، یتیم اور مسافر کو دیا جائے''۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے اللہ! ہمیں اپنے دیئے ہوئے مال کو تیری رضا کے مطابق خرچ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرنے والا بنادے، ہمارے دلوں کو سخاوت، اخلاص اور ہمدردی سے بھر دے، اور ہمارے ہر صدقہ وخیرات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما، اے رب کریم! ہمیں نیکی کے راستوں میں خرچ کرنے والا اور بخل وخود غرضی سے محفوظ رہنے والا بنادے۔ (آمین)

حلقۂ حدیث

حالتِ سفر میں روزہ رکھنے کا حکم

● شیخ عبدالجبار انعام اللہ سلفی (استاذ جامعہ رحمانیہ کاندیولی، ممبئی)

وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ؛ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ؟فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ - "هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللَّهِ، فَمَنْ أَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ". رَوَاهُ مُسْلِمٌ. صحیح مسلم، حدیث:1121، سنن نسائی، حدیث:2298۔

اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں (اگر میں روزہ رکھ لوں) تو کیا مجھ پر کوئی حرج ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، جو اسے لے لے تو بہتر ہے اور جو کوئی روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے، اور اس حدیث کی اصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری و مسلم میں یوں مروی ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے سوال کیا)۔

راویٔ حدیث: حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں، وہ حجاز کے رہنے والے صحابی تھے، جن کی کنیت ابو صالح یا ابو محمد تھی۔ ان سے ان کے فرزند محمد اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ 71ر اور بقول بعض 80ر سال کی عمر میں سن 61ر ہجری میں فوت ہوئے (الاستیعاب 83/3، تہذیب التہذیب 31/3، 32)

فوائد و مسائل:

1- ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں بھی قتال کے لیے نکل سکتے ہیں۔

2- یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوران سفر روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں جائز و درست ہے، جمہور علماء اسی کے قائل ہیں، نیز ان کی دلیل حضرت انس کی وہ حدیث ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

"كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ، وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ" (صحیح بخاری حدیث:1947، صحیح مسلم حدیث:1118)

اس کے برخلاف داؤد ظاہری اور ابن حزم اس بات کے قائل ہیں کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا درست ہی نہیں ہے، ان کی دلیل قرآن کی آیت: ﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [البقرة:184] اور نبی کا قول: "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ" (صحیح بخاری حدیث:1946، صحیح مسلم حدیث:1115) ہے۔

لیکن دلائل کے اعتبار سے جمہور کا قول صحیح اور درست ہے۔ رہی قرآن کی آیت تو اس میں یہ کہیں دلیل نہیں ہے کہ مسافر اگر روزہ رکھتا ہے تو اس کو کفایت نہیں کرے گا بلکہ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھ پاتا ہے تو بعد از رمضان ان کو پورا کرے گا، اور حدیث قرآن کی تشریح و توضیح ہے، اگر دوران سفر روزہ رکھنا درست نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام ایسا کبھی نہ کرتے، جب کہ حضرت جابر کی حدیث خود بتلا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر کی ابتدا ہی روزہ کی حالت میں کی تھی۔ (منحۃ العلام 58/5، 59)۔

رہی وہ حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لَيْسَ

مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ " تو اس کا سیاق بتلاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان لوگوں کے بارے میں کہی جن پر روزہ رکھنا مشکل ہو۔ اسی طرح "أُولَئِكَ الْعُصَاةُ" والی حدیث تو اس کی توضیح اہل علم نے یہ کی ہے کہ آپ نے انہیں خاص اس دن روزہ کھولنے کی حکم کی مخالفت کی وجہ سے کہا تھا (سبل السلام:886/2،تحفۃ الاحوذی 453/3)۔صحیح بات یہ ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا اور چھوڑنا دونوں جائز ہے۔

3-اسی طرح ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر سفر میں روزہ رکھنا مشکل ہو تو روزہ چھوڑنا ہی افضل ہے، جمہور، امام مالک، امام شافعی امام ابوحنیفہ کا یہی نظریہ ہے۔(نیل الاوطار 200/3،الروضۃ الندیۃ549/1)

4-یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر مسافر روزہ توڑ سکتا ہے۔

5-یہ بھی معلوم ہوا کہ جس حکم میں رخصت ہو اسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

6-امام،مقتدی اور پیشوا کو لوگوں کی رعایت کرنا اولیٰ ہے۔

7-آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے فعل کے ذریعے اپنے قول کو اور پختہ کرے تاکہ لوگ اس کی بات پر مطمئن ہو جائیں۔

8-معلوم ہوا کہ مصلحت دینیہ کی خاطر بعض لوگوں کی کمیوں اور مخالفتوں کا ذکر چغلی یا غیبت کے دائرہ میں نہیں آتا ہے۔

9-یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ صحابہ دین میں تفقہ کے بڑے حریص تھے۔

10- "فَمَنْ أَخَذَ" اور "وَمَنْ أَحَبَّ" کے کلمات میں مشہور گمراہ اور بدعتی فرقہ "جبریہ" پر رد ہے، جو بندے کے لیے مشیت کے قائل نہیں اور اسے مجبور محض مانتے ہیں۔

11-اسی طرح حدیث میں ظاہریہ پر رد ہے جو سفر میں روزہ رکھنے کے ناجائز ہونے کے قائل ہیں۔

(بقیہ:صفحہ نمبر ۹ کا)

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم عید کے دن صرف مبارک باد کے رسمی جملوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے معاشرے میں حقیقی خوشی پھیلانے کا عزم کریں۔کسی ناراض رشتہ دار کو منا لینا، کسی محتاج کی مدد کر دینا، کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ دینا یہ وہ اعمال ہیں جو عید کی خوشیوں کو آسمانی برکتوں سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔اگر ہماری عید سے کسی ٹوٹے دل کو سہارا مل جائے تو یہی اس دن کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

عید ہمیں یاد دلاتی ہے کہ مسلمان کی خوشی خودغرض نہیں ہوتی، اس کی مسرت میں دوسروں کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔یہ دن ہمیں سکھاتا ہے کہ عبادت کا حسن اس وقت مکمل ہوتا ہے جب اس کے اثرات ہمارے اخلاق، ہمارے معاملات اور ہمارے معاشرتی رویّوں میں بھی ظاہر ہوں۔رمضان نے اگر ہمیں صبر سکھایا تھا تو عید ہمیں شکر سکھاتی ہے؛ رمضان نے اگر ہمیں ضبطِ نفس دیا تھا تو عید ہمیں حسنِ معاشرت کا درس دیتی ہے۔

آیئے اس عید کو محض ایک دن کی خوشی نہ بننے دیں بلکہ اسے اپنی اجتماعی اصلاح کا نقطۂ آغاز بنائیں۔اپنے دلوں کو کینہ و حسد سے پاک کریں، اپنے معاشرے کو محبت اور ہمدردی سے بھر دیں، اور اپنی صفوں کو اتحاد کی قوت سے مضبوط کریں۔یہی وہ راستہ ہے جو عید کو حقیقی معنوں میں وحدت و اجتماعیت کا عظیم سنگم بنا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عید کی حقیقی روح سمجھنے، اس کی برکتوں سے بھرپور استفادہ کرنے اور اپنی اجتماعی زندگی کو اس کے نور سے منور کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔وما توفیقی إلا باللہ۔

اداریہ

پیامِ عید

مدیر

رمضان المبارک جب اپنے سجدوں کی لطافتوں، دعاؤں کی حرارتوں، عبادت کی نورانی ساعتوں، سحر و افطار کی روح پرور گھڑیوں اور شب ہائے قیام کی لطیف کیفیتوں اور روحانی بہاروں کے ساتھ رخصت ہوتا ہے تو شوال کا چاند گویا آسمان پر امید کی ایک نئی تحریر رقم کر دیتا ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب اہلِ ایمان کے دلوں میں شکر، محبت اور اجتماعیت کے جذبات ایک ساتھ موجزن ہو جاتے ہیں۔ عید الفطر دراصل اسی روحانی تربیت کا اجتماعی اظہار ہے جو ایک مہینے کی مسلسل بندگی و عبادت، ضبطِ نفس اور مجاہدۂ روح کے نتیجے میں پروان چڑھتی ہے۔ یہ دن محض مسرت وخوشی کا اعلان نہیں بلکہ بندگی کی قبولیت کی امید، رحمتِ الٰہی پر اعتماد اور امت کی اجتماعی وحدت کا عملی مظہر ہے۔

اسلام نے عید کو کبھی بھی محض تہذیبی رسم یا ثقافتی جشن کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ اسے شکرِ نعمت، اعلانِ کبریائی اور اظہارِ بندگی کے قالب میں ڈھالا ہے۔ قرآنِ حکیم نے روزوں کے احکام کے بعد جس انداز سے تکبیر اور شکر کا ذکر فرمایا ہے کہ:

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [البقرۃ:۱۸۵]

وہ اس حقیقت کو روشن کر دیتا ہے کہ عید کی روح زمین سے زیادہ آسمان سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صبحِ عید طلوع ہوتی ہے تو ایک سچا مومن نئے لباس سے پہلے اپنے دل کو تازہ کرتا ہے، خوشبو سے پہلے اپنے باطن کو معطر کرتا ہے اور مسکراہٹ سے پہلے اپنے رب کے حضور جھک کر اس کی حمد بجالاتا ہے۔

عید گاہ کا منظر اسلام کے اجتماعی حسن کا ایسا جیتا جاگتا شاہکار ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں کم ملتی ہے۔ ایک ہی میدان میں لاکھوں پیشانیاں جھکتی ہیں، ایک ہی صف میں مختلف طبقات کے لوگ کھڑے ہوتے ہیں، اور ایک ہی صدا ''اللہ أکبر، اللہ أکبر'' فضاؤں میں گونجتی ہے۔ یہاں نہ حسب ونسب کی دیوار باقی رہتی ہے، نہ دولت وغربت کا فرق نمایاں ہوتا ہے۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب امت اپنی حقیقی پہچان کے ساتھ سامنے آتی ہے: ایک جسم، ایک دل اور ایک قبلہ۔

صبحِ عید کا منظر اسلامی اجتماعیت کا ایسا دل آویز نقشہ پیش کرتا ہے جو انسانی مساوات اور وحدت کا بے مثال نمونہ ہے۔ جب مختلف علاقوں، زبانوں اور معاشرتی طبقات سے تعلق رکھنے والے مسلمان ایک ہی میدان میں جمع ہو کر ایک ہی قبلے کی طرف رخ کرتے ہیں تو یہ اجتماع محض نماز کی ادائیگی نہیں رہتا بلکہ امت کی وحدت کا عملی اعلان بن جاتا ہے۔ یہاں نہ دولت کا غرور باقی

رہتا ہے، نہ غربت کی محرومی نمایاں ہوتی ہے؛ سب ایک صف میں کھڑے ہو کر اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳] اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرزِ عمل اس اجتماعی مزاج کی سب سے روشن تفسیر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کی نماز کو کھلے میدان میں ادا فرمایا اور امت کے ہر طبقے کو اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی۔ خواتین حتیٰ کہ وہ بھی جو عموماً گھروں میں رہتی تھیں، انہیں بھی اس اجتماعی مسرت میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس نبوی حکمت میں یہ گہرا پیغام مضمر ہے کہ عید کی خوشی محدود نہیں بلکہ ہمہ گیر ہے؛ یہ فرد کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کی مشترکہ میراث ہے۔ یہی ہمہ شمولیت اسلامی اجتماعیت کو قوت اور وسعت عطا کرتی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کو اجتماعیت کا ایسا مظہر بنایا کہ گھروں میں محدود رہنے والی خواتین کو بھی اس اجتماعی خوشی میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی۔ اس ہدایت میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ عید محض افراد کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کی مسرت کا دن ہے۔ چنانچہ جب مسلمان عید کی نماز کے لیے نکلتے ہیں تو دراصل وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تجدید کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

عید سے پہلے صدقۂ فطر کی فرضیت اسلام کے معاشی عدل کا نہایت بلیغ اظہار ہے۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک گھر میں خوشیوں کے چراغ روشن ہوں اور پڑوس میں فاقوں کی تاریکی چھائی رہے۔ صدقۂ فطر دراصل اس بات کا عملی اعلان ہے کہ اسلامی معاشرہ بے حس نہیں، بلکہ اپنے کمزور افراد کا سہارا بننے والا معاشرہ ہے۔ جب غریب کی دہلیز پر بھی عید کی دستک پہنچتی ہے تو اجتماعی خوشی کا دائرہ مکمل ہوتا ہے۔

سلف صالحین کے یہاں عید کا تصور نہایت باوقار اور روح پرور تھا۔ ان کے نزدیک عید نئے کپڑوں سے زیادہ نئے عہد کا نام تھی، ظاہری زینت سے زیادہ باطنی طہارت کا موقع تھی۔ ان کا طرزِ فکر ہمیں یاد دلاتا ہے کہ عید کی اصل مسرت اس دل کو حاصل ہوتی ہے جو رمضان کے بعد بھی اطاعت کی راہ پر ثابت قدم رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر عید کے بعد زندگی کا رخ بدل نہ سکے تو خوشی کی یہ ساعت محض ایک وقتی مسکراہٹ بن کر رہ جاتی ہے۔

آج کے دور میں جب مادیت کی یلغار نے زندگی کے بہت سے پاکیزہ تصورات کو دھندلا دیا ہے، عید بھی کہیں کہیں اپنی اصل روح سے دور ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ بازاروں کی چکاچوند، نمود و نمائش کی دوڑ اور فضول اخراجات کی روایت نے اس سادہ اور باوقار اسلامی تہوار کو متاثر کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عید کو دوبارہ اس کی حقیقی معنویت کے ساتھ زندہ کریں ایسی عید جو دلوں کو جوڑے، طبقاتی فاصلے کم کرے، اور امت کے اجتماعی شعور کو بیدار کرے۔

صبحِ عید کا منظر اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ محض ایک مذہبی اجتماع نہیں بلکہ ایک زندہ پیغام ہے۔ یہ پیغام ہے کہ مسلمان جب چاہے اپنے تمام اختلافات کے باوجود ایک صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ یہ پیغام ہے کہ توحید کا رشتہ رنگ، نسل، زبان اور جغرافیہ کی تمام سرحدوں سے مضبوط تر ہے۔ یہ پیغام ہے کہ امت کی اصل طاقت اس کی اجتماعیت میں پوشیدہ ہے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر ۷ پر)

عقیدہ ومنہج

تبرّک شریعت کے میزان میں

● شیخ مختار احمد محمدی مدنی (الجبیل ،سعودی عرب)

کسی عمل کے ذریعہ یا کسی چیز کو چھو کر یا اسے استعمال کر کے زیادہ فائدہ یا خیر وبرکت کی امید کرنا تبرک کہلاتا ہے۔

تبرک کے احکام ومسائل اور اقسام جاننے سے قبل اس کے متعلق کچھ اہم قاعدے ہیں جن کا جاننا سب کے لئے بیحد ضروری ہے۔

نمبر(۱) برکت دینے والا صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے، وہ سراپا بابرکت ہے۔جیسے شفاء ورزق دینے والا ،موت وحیات بخشنے والا صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے ٹھیک اسی طرح برکت دینے والا صرف اللہ کی ذات واحد لاشریک لہ ہے۔

نمبر(۲) کچھ مقامات وذوات اور اوقات واشیاء ہیں جن میں اللہ نے اپنے فضل خاص سے برکت رکھی ہے ، وہ ساری چیزیں صرف برکت کے ذرائع واسباب ہیں ، وہ بذات خود برکت دینے والی نہیں ہیں، جیسے دواء شفاء کا ذریعہ ہے لیکن دواء خوشافی نہیں ہے، تجارت ونوکری رزق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن وہ خود رزاق نہیں، ٹھیک یہی معاملہ برکت کا بھی ہے۔

نمبر(۳) اشیاء میں برکت ہے یا نہیں اس کے جاننے کا واحد ذریعہ قرآن کریم واحادیث صحیحہ ہیں۔

نمبر(۴) جن چیزوں میں اللہ نے برکت رکھ دی ہے، ان سے برکت حاصل کرنے کا طریقہ بھی اللہ نے اپنے نبی کو بتا دیا ہے،اور چونکہ مبارک چیزوں سے برکت حاصل کرنا ایک عبادت اور خالص شرعی مسئلہ ہے اور عبادت کی بنیاد قرآن واحادیث صحیحہ پر ہوتی ہے لہذا بابرکت اشیاء سے قرآن وحدیث سے ثابت شدہ طریقوں پر چل کر ہی برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔مثال سے یوں سمجھیں کہ قرآن کریم بابرکت ہے اس سے برکت حاصل کرنے کا شرعی اور نبوی طریقہ یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے، اس کا حفظ کیا جائے ،اس پر عمل کیا جائے ،اسے پڑھ کر اپنے اوپر یا مریضوں پر دم کیا جائے ،اب اگر کوئی قرآن کریم سے برکت حاصل کرنے کے لئے اسے پانی میں گھول کر پی لے' یا تعویذ بنا کر اپنے گلے میں یا جسم کے کسی بھی حصہ میں لٹکالے، یا اس کے نمبرات نکال کر اس کا ورد شروع کردے تو یہ سارے طریقے ناجائز وبدعت کہے جائیں گے، کیونکہ یہ سارے طریقے قرآن وسنت صحیحہ سے ثابت نہیں ہیں۔ایسے ہی زیتون میں برکت ہے تو اس کے کھانے یا اس کا تیل استعمال کرنے میں برکت ہے اب اگر کوئی حصول برکت کے لئے اسے شیشی میں بھر کر گلے میں لٹکانا شروع کردے تو یقینی طور پر اسے برکت نہیں ملے گی۔

نمبر(۵) اگر انسان کے پاس ایمان اور اعمال صالحہ نہیں ہیں تو ممکن ہے دنیا میں اس کو کسی چیز سے فائدہ اور برکت مل جائے لیکن آخرت میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ایک صحابی بیان کرتے

ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے وضوء کیا صحابہ کرام وضوء والے پانی کو جسم پر ملنے لگے، آپ ﷺ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ کہنے لگے محبت میں ہم ایسا کرتے ہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور رسول سے محبت کرے یا اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اس پر لازم ہے کہ جب بات کرے تو سچ بولے، امانت ادا کرے اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔[سلسلہ صحیحہ رقم حدیث ۲۹۹۸]

تبرک کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

جائز تبرک: اللہ تعالی نے جن جن چیزوں میں اپنے فضل خاص سے فائدہ و برکت رکھ دی ہے، قرآن وحدیث سے ثابت شدہ طریقوں پر ان تمام چیزوں سے برکت حاصل کرنا جائز ومسنون تبرک کہلاتا ہے۔

جائز تبرک کی انواع واقسام:

(۱) قرآن سراپا بابرکت، سر چشمہ ہدایت اور رحمت وشفاعت کا باعث ہے،قرآن کی برکت دیکھیں کہ ایک حرف پڑھیں تو دس نیکیاں ملتی ہیں۔اللہ تعالے کا فرمان ہے: ﴿كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ مُبَٰرَكٞ﴾[ص:۲۹] ’’یہ کتاب جسے ہم نے نازل کیا ہے برکت والی ہے‘‘۔

(۲) نبی کریم ﷺ سے ثابت اذکار ودعاؤں میں برکت وشفاء ہے۔

(۳) تمام انبیاء کرام کی ہستیاں بابرکت تھیں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيۡنَ مَا كُنتُ﴾[مریم:۳۱]اور ابراہیم واسحاق علیہما السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَبَٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَعَلَىٰٓ إِسۡحَٰقَ﴾[الصافات:۱۱۳]

تمام مسلمانوں کا عہد نبوی سے تا ایں دم اس بات پر اجماع ہے کہ تمام انبیاء کرام ورسل عظام میں سب سے بابرکت ذات نبی کریم ﷺ کی تھی، آپ سید العالمین ورحمۃ للعالمین امام الانبیاء افضل البشر اور خاتم النبیین ہیں۔

آپ ﷺ کی برکت دو طرح کی تھی (۱)معنوی اور (۲)حسی برکت۔

معنوی برکت آپ کی نبوت ورسالت اور عمومی رحمت وسعادت ہے اور حقیقی سعادت وبرکت آپ ﷺ کی شریعت ہی پر چل کر حاصل کی جاسکتی ہے۔

آپ ﷺ کی یہ برکت قیامت تک کے لئے ہے، جو اس برکت کا طالب ہو وہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کی سنتوں پر عمل کر کے برکت وسعادت حاصل کرسکتا ہے۔

حسی برکت آپ کے جسم شریف سے متعلق تھی وہ تین طرح کی تھی:

(۱) آپ ﷺ کی ذات یعنی آپ کا جسم مبارک جیسے ہاتھ پاؤں پشت وغیرہ سب بابرکت تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام آپ کے دست مبارک چومتے اور آپ کو بوسہ دیتے تھے۔جب کھانا یا پانی کم ہوتا تو آپ ﷺ انگلی ڈال دیتے تو اس میں برکت آجاتی۔نبی کریم ﷺ معوذات پڑھ کر خود اپنے ہاتھوں کو جسم مبارک پر پھیر لیا کرتے تھے لیکن جب طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی تو عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں وہ معوذات پڑھتی اور آپ ﷺ کے ہاتھ پکڑ کر برکت کے لئے ان کے جسم پر پھیر

دیتی۔[صحیح بخاری]

صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلاۃ فجر سے فارغ ہوتے تو اہل مدینہ کے خادم اپنے اپنے برتن لے آتے ان میں پانی ہوتا جو بھی برتن پیش کیا جاتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے، اور بسا اوقات ٹھنڈا موسم ہوتا تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست مبارک اس ٹھنڈے پانی میں رکھ دیا کرتے تھے۔

حسی برکت کی دوسری قسم یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے نکلنے والی پاک چیزیں جیسے بال، ناخن تھوک بلغم، پسینہ وغیرہ سب میں برکت تھی، صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ایک حجام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کاٹنے آیا اور صحابہ کرام آپ کے ارد گرد جمع ہوگئے ان کا مقصود محض یہ تھا کہ جو بال بھی کاٹا جائے اسے وہ اپنے ہاتھوں میں اچک لیں۔

صحیح مسلم ہی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے ہاں آرام فرماتے، بعض اوقات وہ گھر پر بھی نہ ہوتیں، ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور بستر پر سو گئے، انہیں بتایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے بستر پر آرام فرما ہیں وہ آئیں اور دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسینہ آ رہا ہے، چنانچہ وہ شیشے کی ایک ڈبیا لے آئیں اور اس میں پسینہ جمع کرنے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک بیدار ہو گئے اور پوچھا یہ کیا کر رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: ان مبارک قطروں سے ہمیں اپنے بچوں کے لئے برکت کی امید ہے، آپ نے فرمایا: درست ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے میں ان قطروں کو خوشبو میں ملایا کروں گی۔

یاد رہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محارم میں سے ہیں، انس رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی جب ان کی وفات ہوگی تو ان کے کفن میں یہی خوشبو لگائی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[فتح الباری]

صحیح مسلم میں سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں اور کہنے لگی! یہ میرا بھانجا ہے اسے بخار ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضوء کیا تو میں نے باقی پانی کو پی لیا، پھر میں آپ کی پشت مبارک کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور آپ کی مہر نبوت بھی دیکھی جو بٹن یا گرہ کے مانند تھی۔

صحیح بخاری میں ایک طویل روایت ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو موسی اور بلال رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ منگوایا اس میں کچھ پانی تھا آپ نے اپنا ہاتھ اور منہ اس میں دھویا اور کلی کر دی پھر فرمایا: اس میں سے کچھ پی لو اور کچھ منہ اور سینے پر ڈال لو۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک چھوٹا سا پیالہ تھا جس میں مختصر پانی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند بال رکھے ہوئے تھے، جسے نظر لگ جاتی یا کوئی تکلیف ہوتی تو وہ ام سلمہ کے پاس پانی کا برتن بھیج دیتا۔[صحیح بخاری]

صلح حدیبیہ کا واقعہ تو بہت مشہور ہے صحیح بخاری میں ہے کہ قریش کے نمائندہ عروہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ بڑے غور سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے رہے وہ کہتے ہیں کہ میں دنیا کے کئی بادشاہوں کے پاس گیا لیکن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی جس طرح آپ کی اتباع کرتے ہیں میں نے یہ چیز کہیں نہیں دیکھی، اتباع کا عالم یہ ہے کہ جونہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوکتے تو وہ تھوک بجائے زمین پر کسی صحابی کے ہاتھ میں گرتا اور وہ اسے اپنے جسم اور چہرے پر مل لیتا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی حکم دیتے تو سب بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیل کرتے اور جب آپ وضوء فرماتے تو بچے ہوئے پانی کے لئے سب دوڑ پڑتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بولتے تو سب اپنی آوزیں پست کر لیتے اور تعظیم وتکریم کے باعث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نظریں نہ ملاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسی برکت کی تیسری قسم آپ کی استعمال شدہ اشیاء تھیں جیسے کپڑے، عصاء، انگوٹھی، جوتے، برتن، استعمال کے بعد بچا ہوا پانی اور کھانا وغیرہ۔

جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ذات سے برکت حاصل کرتے تھے ٹھیک اسی طرح آپ کے تمام آثار واستعمال شدہ اشیاء سے برکت لیتے تھے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن چیزوں کو استعمال کر لیا اس میں برکت داخل ہو جاتی تھی، یہ تینوں برکتیں صرف انبیاء کرام کے ساتھ خاص تھیں، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ کے بعد پھر کسی بھی ذات سے اور، نہ ہی کسی کی استعمال شدہ چیزوں سے برکت لی، خواہ وہ کتنے ہی صالح ومتقی اور افضل کیوں نہ ہوں نہ خلفائے راشدین سے نہ ہی باقی صحابہ کرام سے، کیونکہ یہ مسئلہ عبادت کا ہے اور عبادات توقیفی ہوتی ہیں ان میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار اور مستعمل اشیاء کے بارے میں ایک بڑا سوال یہ کھڑا ہوتا ہے کہ اس وقت کیا ان چیزوں کا وجود ہے یا نہیں؟ کیا آج یقین کے ساتھ کسی بھی چیز کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعمال میں تھی؟ چونکہ تبرک ایک عبادت اور خالص شرعی مسئلہ ہے، لہٰذا تثبت اور تحقیق ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی ایسی چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چیز سمجھ بیٹھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی استعمال ہی نہ کی ہو، لہٰذا کسی بھی چیز سے برکت کے لئے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یقینی طور پر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی چیز ہے۔

یہ بات ہر کس وناکس جانتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹی بات گڑھ کر پیش کرنے پر جہنم کی سخت وعید ہے ٹھیک اسی طرح ایسا اثر یا کوئی چیز حقیقت میں جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرنا اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ ہے۔ جس طرح حدیث کے اصول وضوابط ہیں اسی طرح آپ کے آثار کے لئے بھی اصول وضوابط ہیں، جیسے ہر حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں ہو سکتی ایسے ہی ہر منسوب چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہیں ہو سکتی ورنہ ہر شخص برکت وفائدہ کے لئے دعوی کرنے لگے گا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار ہیں، اور آج دنیا میں کتنے ایسے ممالک ہیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب چیزوں کے بارے میں لوگوں کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار ہیں اور بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جو آثار کبھی شفاء کا ذریعہ تھے آج لوگوں نے انہیں گمراہی کا ذریعہ بنا دیا ہے، ساتھ ہی ان مزعومہ آثار سے آج تجارت کا بازار بھی گرم ہے، لوگ ایک جھلک دیکھنے کے لئے منہ مانگی قیمت خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کے بارے میں ایک بات یہ بھی

ذہن نشین رہے کہ جن صحابہ کرام کے پاس کچھ آثار تھے ان میں سے اکثر دوسروں کونہیں دیتے تھے، بلکہ اپنے پاس رکھتے تھے، کچھ تو ایسے تھے جنھوں نے اس کا کفن بنالیا جیسا کہ صحیح بخاری میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بردہ لیا تھا اس نے اس کا کفن بنالیا تھا۔ صحیحین میں ہے کہ جس عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی زینب کو غسل دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنا ازار دیا تاکہ اسے زینب کی قبر میں رکھ دیا جائے، دیگر صحابہ کرام سے اسی طرح مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی جو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی وہ مدینہ کے کسی کنویں میں گرگئی تھی، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک چادر اور آپ کی لاٹھی بعض لوگوں کے بقول معاویہ رضی اللہ عنہ کی قبر میں رکھ دی گئی تھی، جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سنہ ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے جب بغداد پر حملہ کیا جلا دیا تھا۔

اُحمد تیمور پاشا مشہور مورخ اور آثار قدیمہ کے انتہائی ماہر شخص گذرے ہیں وہ ترکیا کے اسطانبول کے میوزیم میں موجود آثار نبوی کے تعلق سے کہتے ہیں:

''کسی بھی ثقہ ومعتمد نے نہ اثبات میں اور نہ ہی نفی میں ان کے تعلق سے کچھ بیان کیا ہے، اللہ ہی ان آثار کے بارے میں بہتر جانتا ہے، لیکن کچھ آثار کے بارے میں دل میں ضرور شک اور ریب ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کے بارے میں کہتے ہیں: ان کی حقیقت جاننا بیحد مشکل اور پیچیدہ امر ہے''۔

ایک اور مشہور مورخ ڈاکٹر عفیف، اسطانبول میں موجود تمام آثار کی تحقیق کے بعد کہتے ہیں: ''ان میں سے کسی کو بھی ثابت کرنا ممکن نہیں رہ گیا ہے، یہاں تک کہ وہ آثار جن کی نسبت صحابہ کرام کی طرف کیجاتی ہے ان کا بھی یہی حال ہے، زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ جو آثار نادر ہیں ان کی سند پہلی صدی تک پہنچتی ہے، لیکن یہ آثار کن کے ہیں انہیں کوئی ثابت نہیں کرسکتا''۔

محدث عصر امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم یقینی طور پر یہ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال، کپڑے اور دیگر استعمال شدہ چیزیں مفقود ہوچکی ہیں، کوئی بھی یقینی طور پر ثابت نہیں کرسکتا''۔

ان باتوں کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نشانات سے متعلق سات پتھر منسوب ہیں، مشہور مورخ احمد تیمور پاشا نے ان سب کا دراسہ اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ سارے پتھر نہ ہی شکل وصورت میں اور نہ ہی حجم وکیفیت میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار وباقیات سے برکت حاصل کرنے کا مسئلہ اس وقت صرف نظری اور علمی رہ گیا ہے، حقیقت میں اس کا کوئی وجود نہیں رہ گیا ہے، کیونکہ آج کسی بھی چیز کے بارے میں یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چیز ہے۔

(۴) جائز تبرک کی چوتھی نوع باجماعت صلاۃ ہے جس میں برکت واجر زیادہ ہے اس کے ذریعے اللہ تعالی نیکیاں بڑھا دیتا ہے۔

(۵) اجتماعی طور پر کھانا کھانا اور ایک بڑی پلیٹ میں سے کھاتے وقت اپنے سامنے سے کھانا، دائیں ہاتھ سے کھانا، بسم

اللہ کہہ کر کھانا، کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا یہ سب اعمال برکت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

(۶) اسی طرح بعض مقامات باعث خیر وبرکت ہیں، چنانچہ مساجد خیر وبرکت کا سرچشمہ ہیں۔ان میں عبادت کرنا، علمی مجلسیں منعقد کرنا برکت کا ذریعہ ہیں، مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، مکّہ، مدینہ، میدان عرفات، مزدلفہ، منی، شام کا علاقہ خیر وبرکت کی آماجگاہ ہیں۔ان مقامات پر اللہ تعالے سے خیر وبرکت طلب کرنا مسنون عمل ہے بشرطیکہ تبرک کے حصول کا طریقہ وہی ہو جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے۔

(۷) بعض اوقات خیر وبرکت کا ذریعہ ہیں ان میں زیادہ سے زیادہ برکت کے حصول کی کوشش کرنا چاہئے۔مثلاً رمضان کا مہینہ، لیلۃ القدر خصوصاً رمضان کی آخری دس راتیں، ذوالحجہ کے ابتدائی دس ایام، جمعہ کا دن، کسی بھی رات کا آخری پہر، یہ وہ اوقات ہیں جو خیر و برکت سے معمور ہوتے ہیں۔ ان ایام واوقات میں اتباع سنت کے جذبہ سے سرشار ہوکر اللہ تعالے سے زیادہ سے زیادہ خیر وبرکت کا طالب رہنا چاہیے، سوموار اور جمعرات کو صوم رکھ کر برکت حاصل کی جاسکتی ہے ان دونوں دنوں میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر موحد کی مغفرت کردی جاتی ہے سوائے اس شخص کے جس کی دوسرے بھائی کے ساتھ ناراضگی ہو ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں مہلت دو حتی کہ آپس میں صلح کرلیں۔[صحیح مسلم]

(۸) کھانے پینے کی کچھ چیزیں ہیں جن کے استعمال میں اللہ نے خیر وبرکت رکھی ہے۔جیسے زیتون، دودھ، کلونجی، شہد، کھمبی، اثمد سرمہ، آب باراں اور آب زمزم میں بہت برکت ہے۔اسی طرح کھجور کا درخت باعث برکت ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کی برکت مسلمان کی طرح ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوسکتا ہے، میں بولنے ہی والا تھا لیکن ہمارے گردوپیش بڑے بڑے صحابہ کرام تشریف فرما تھے، تو آپ ﷺ نے خود فرمایا یہ کھجور ہے (صحیح بخاری) چنانچہ کھجوریں بالخصوص عجوہ کھجور کھانا ایسے ہی گھر میں رکھنا سنت اور باعث برکت ہے۔

(۹) حجر اسود کو چومنا اور رکن یمانی کو چھونا باعث خیر وبرکت اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

(۱۰) کچھ جانور باعث خیر وبرکت ہیں، جیسے گھوڑا اور بکری وغیرہ۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے گھوڑے کی پیشانی کے ساتھ خیر قیامت تک کے لئے بندھی ہوئی ہے (صحیح بخاری) بکریوں کے باڑے میں صلاۃ پڑھنے کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: صلاۃ پڑھ لیا کرو یہ بابرکت ہیں۔[صحیح سنن ابوداؤد]

مذکورہ چیزوں میں اللہ نے خیر وبرکت رکھی ہے، ان سے برکت حاصل کرنے کی دو اہم ترین شرطیں ہیں (۱) اخلاص اور یہ ایمان کہ اللہ نے ان میں برکت رکھی ہے (۲) نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ کے مطابق حاصل کی جائے۔اگر آپ ﷺ کا طریقہ چھوڑ کر کسی اور طریقہ سے برکت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو پھر برکت تو دور کی بات وہ چیز باعث زحمت ہوگی۔کیونکہ تبرک عبادت ہے اور ہر عبادت کی قبولیت کا دارومدار اخلاص اور اتباع سنت پر ہے۔

دوسری قسم:

ممنوع تبرک: اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ان چیزوں سے تبرک کی امید رکھنا جن میں اللہ تعالی نے برکت ہی نہ رکھی ہو مثلاً درختوں اور بتوں سے برکت کی امید رکھنا، گدھی کے دودھ سے برکت کی امید رکھنا، انبیاء کرام کے علاوہ کسی بھی ہستی کو چومنا چاٹنا ان کے ہاتھ کو جسم پر لگانا، یا ان کے آثار سے تبرک لینا، اہل قبور اور فوت شدگان سے التجائیں کرنا اوران سے خیر وبرکت کی طلب میں رہنا۔ قبروں مزاروں کو چومنا چاٹنا وہاں مجاور بن کر رہنا، غار حرا یا غار ثور یا کوہ طور پر نفل پڑھنے کی غرض سے چڑھنا اسی طرح جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کرتے تھے۔ مثلاً محراب نبوی، یا کوئی ایسی جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے مثلاً میدان بدر واحد وغیرہ۔ ان مقامات میں جا کر تبرک کیلئے نفل پڑھنا۔ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش ایسے ہی خدیجہ وعلی اور دیگر صحابہ کرام کے پیدائشی مقامات کی زیارت کے ذریعہ تبرک حاصل کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی بھی ذات سے خواہ وہ ذات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی کی کیوں نہ ہو تبرک حاصل کرنا، ان کے پسینے ،لعاب، پگڑی یا قمیص کو باعث برکت سمجھنا خلاف سنت ہے اسی طرح بزرگان دین سے تبرک حاصل کرنا، ان کے پسینہ یا کپڑوں کو باعث برکت سمجھنا، کسی کے کُرتے قمیص یا پگڑی کو بابرکت سمجھنا سب گناہ کا کام ہے۔ کیونکہ تبرک ایک عبادت ہے۔ عبادت صرف وہی جائز ہے جس کا ثبوت کتاب وسنت سے ثابت ہو۔

اسی طرح اپنی طرف سے چند ایام مخصوص کر لینا اوران ایام میں تقریبات منعقد کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ تقریبات باعث برکت ہیں گناہ ہے۔ مثلاً ربیع الاول کے مہینہ میں میلاد منانا ،شب معراج پر چراغاں کرنا، یوم ہجرت، اور یوم بدر واحد منانا، یا یوم صدیق وفاروق منانا، یا عاشورہ محرم کا جلوس نکالنا، تعزیہ نکالنا، قبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جالی یا دیواروں کو چومنا، مقام ابراہیم کو چومنا، مدینہ کی خاک سے شفاء طلب کرنا یہ سب کام نہ صرف یہ کہ خیر وبرکت کے ذرائع نہیں ہیں بلکہ بدعات ہیں اور سخت گناہ کا باعث ہیں۔

ایسے ہی کچھ شہروں کو مقدس اور متبرک سمجھنا جب کہ اللہ نے ان شہروں کو مقدس نہیں بنایا ہے جیسے اجمیر شریف، راونڈ شریف، کچھوچھ شریف وغیرہ، ہندو پاک میں ایسے شہروں کی کمی نہیں جنہیں لوگوں نے اپنی طرف سے شریف بنا دیا ہے، اور وہ شرک وبدعت کا اڈہ بنے ہوئے ہیں، توحید سے بڑی کوئی شرافت نہیں، لیکن وہاں شرک وبدعت اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معصیت کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آتی۔

(۲) جن چیزوں میں اللہ نے برکت تو رکھ دی ہے لیکن ان سے تبرک کے لئے ایسے طور طریقے ایجاد کرنا جن کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہ ہو جیسے، مقامات مقدسہ اور مساجد کے دروازے، چوکھٹ اور کھڑکیاں چومنا۔ یا مشاعر حج کے پاس مشروع ومخصوص اوقات وایام کے علاوہ برکت کی غرض سے وہاں وقوف کرنا، آب زمزم سے کفن دھونا، عیدین اور جمعہ کے دن صوم رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالی ہمیں صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھے اور شرک وبدعات سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین!!!۔

تعلیم وتعلم

علمائے سلف۔علم ومعرفت کے شیدائی

● شیخ نورالاسلام شفیع مدنی (استاذ جامعہ امام ابن تیمیہ، بہار)

جب کوئی قوم اپنے عہد شباب میں ہوتی ہے اور وہ عروج وبروز کے مدارج طے کررہی ہوتی ہے تواس کی نگاہیں بلندیوں پر مرکوز ہوتی ہیں، اس کے ارادے فولادی اورعزائم پہاڑوں کی طرح ثابت وراسخ ہوتے ہیں، اس وقت وہ دنیا کے لئے معلم ومربی اورعالم انسانیت کے لئے ہادی ورہبر کی حیثیت رکھتی ہے، اور چونکہ دینی وسیاسی اورعلمی وفکری برتری کے لئے علوم وفنون میں برتری ضروری ہے لہٰذا کسی بھی قوم کے عہد شباب میں سب سے زیادہ علوم وفنون کا ہی غلغلہ ہوتا ہے، جب مسلمانوں کا دور عروج تھا اور جب وہ علمی، سیاسی اور عسکری میادین میں دنیا کے لئے قائدوسائد کی حیثیت رکھتے تھے توان کے درمیان صرف علوم وفنون کا ہی غلغلہ نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی چاہت کے مطابق ایک الگ ہی علمی وفکری دنیا تعمیر کی تھی، اہل ذوق کو بہت سے نئے علوم وفنون سے متعارف کرایا تھا، اورقدیم علوم واقدار کے زلف پریشاں کوسنوار کر اوران کا تزکیہ وتصفیہ کرکے انہیں مرقع حسن بناڈالا تھا، پورے اسلامی قلمرو میں ہر چہار جانب علم ومعرفت کے دیوانے صحرائے علم میں آبلہ پائی کرتے ہوئے نظر آتے تھے، وہ تلاش علم میں شہر شہر، قریہ قریہ کی خاک چھانا کرتے تھے، ان کی پر اشتیاق نگاہوں میں حصولِ علم کے سوا اورکوئی چاہت نہیں پائی جاتی تھی، بہت سے دیوانے تو نفس اخیر تک اس کی طلب وتلاش میں سرگرداں رہے اور اپنے شوق طلب اور جنون وصال کے ساتھ ہی دنیا سے رخصت ہوئے، آیئے صحرائے علم کے بعض رہ نوردوں کے جنون علم کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علمائے سلف میں کتابیں جمع کرنے کا شوق: علم ومعرفت اورفکر وفن کے شیدائی علمائے سلف کے اندر کتابیں جمع کرنے کا عجب شوق تھا، وہ علم وفن کے لذت آشنا اور کتابوں کے حقیقی قدرداں تھے، چنانچہ انہوں نے کتابوں کی اہمیت، ان کے اثرات اوران کی قدر وقیمت کومختلف الفاظ وتعبیرات میں منثور ومنظوم کلام کے ذریعہ جس عقیدت ومحبت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اس کا ایک عکس آپ جاحظ کی کتاب ''الحیوان'' کے مقدمہ میں اور ان کی دیگر کتابوں میں، نیز خطیب بغدادی کی ''تقیید العلم'' اور ''الجامع لأخلاق الراوی'' میں اورابن عبدالبر کی ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں ملاحظہ کرسکتے ہیں، جاحظ رحمہ اللہ (ت 255ھ) نے کتابوں کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: اگرکسی کے نزدیک کتابوں کی خرید پرخرچ کئے جانے والے پیسوں کی لذت وچاشنی لونڈیوں اور باندیوں کی خرید پرخرچ کرنے کے شوقین حضرات اورعمارتوں کی تعمیر پرصرف کرنے والوں کی لذت سے بڑھ کر نہ ہوتو وہ علم میں پسندیدہ مقام تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، اور وہ شخص اپنے خرچ سے تب تک مستفید نہیں ہوسکتا جب تک کہ کتابیں جمع کرنے کو اسی طرح ترجیح نہ دے جس طرح ایک اعرابی اپنے گھر والوں کو دودھ فراہم کرنے پر گھوڑے خریدنے کو ترجیح دیتا ہے، اور جب تک اپنی

کتابوں سے ویسی ہی امید نہ رکھے جس طرح ایک اعرابی اپنے گھوڑے سے امید رکھتا ہے[الحیوان للجاحظ:55/1]، اور ابن حزم رحمہ اللہ (ت 456ھ) نے علم کے ستونوں کا ذکر کرتے ہوئے کتابوں کی کثرت کو اس کا ایک اہم ستون قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ کوئی کتاب فائدے سے خالی نہیں ہوتی، ضرورت کے وقت اس سے علم میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، آدمی تمام ضروری علوم کو یاد نہیں کرسکتا ہے لہذا کتاب ضرورت کے وقت خزانہ ثابت ہوتی ہے، جو لوگ کثرت کتب کی مذمت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، اگر ان کی رائے قبول کر لی جائے تو سارے علوم کا خاتمہ ہو جائے اور جاہلوں کے لئے بھی علم کے میدان میں زور آزمائی کرنے کی گنجائش پیدا ہو جائے اور وہ جیسا دعوی کرنا چاہیں کر بیٹھیں، اگر کتابوں کی شہادت نہ ہو تو عالم وجاہل کا دعوی یکساں نظر آئے گا[رسالہ مراتب العلوم ضمن رسائل ابن حزم: 77/4]، اور ابن الجوزی رحمہ اللہ (ت 597ھ) نے طلبہ کی رہنمائی وہمت افزائی کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں علماء کی صحبت میں رہنا چاہئے اور تحصیل کتب کے فراق میں سرگرداں رہنا چاہئے، کوئی کتاب فائدے سے خالی نہیں ہوتی [صید الخاطر، ص:411]، اور ابن رجب رحمہ اللہ نے ذیل الطبقات میں ابن الجوزی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام ابو العلاء ہمدانی رحمہ اللہ (ت 569ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ ایسے شہر میں ہیں جس کی ساری دیواریں کتابوں کی ہیں اور ان کے سامنے لامحدود کتابیں رکھی ہوئی ہیں جن کا وہ مطالعہ کر رہے ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ یہاں پر یہ کیسی کتابیں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ سے دعا مانگا تھا کہ وہ جنت میں مجھے اسی کام میں مشغول رکھے جس میں وہ دنیا میں مشغول رہا کرتے تھے اور اللہ نے میری دعا قبول فرمالیا ہے[ذیل طبقات الحنابلہ:328/1]۔

اور امام ابو العلاء ہمدانی رحمہ اللہ کا شوق مطالعہ اور محبت کتاب ایسی تھی کہ اس کے لئے انہوں نے بلا دریغ اپنا مکان بیچ دیا تھا، ایک دن بغداد میں ابن الجوالیقی کی کتابیں فروخت کی جارہی تھیں، ابو العلاء ہمدانی بھی وہاں پہنچ گئے، ایک آدمی نے بعض کتابوں کی قیمت کا اعلان کرتے ہوئے 60 دینار کی آواز لگایا، امام ابو العلاء نے وہ کتابیں خرید لیں اور جمعرات تا جمعرات ایک ہفتہ کی مہلت مانگی، پھر وہ سیدھے ہمدان کے لیے کوچ کر گئے اور وہاں پہنچ کر اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر آواز دینے لگے کہ گھر لے لو، گھر خرید لو، اس کی قیمت 60 دینار لگائی گئی، انہوں نے ساتھیوں سے کہا کہ اتنے ہی میں فروخت کردو، ساتھیوں نے کہا کہ اس سے زیادہ قیمت مل سکتی ہے، مگر انہوں نے کہا کہ اتنے ہی میں بیچ دو پھر وہ پیسے لے کر بغداد کے لئے روانہ ہو گئے، جمعرات کو بغداد پہنچ گئے اور اسی دن کتابوں کی قیمت ادا کردی[ذیل طبقات الحنابلہ:329/1]، اسی طرح ابن رجب رحمہ اللہ نے ابن النجار کے حوالے سے ابن الخشاب نحوی کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اہل علم اور اصحاب حدیث میں سے جن کی بھی وفات ہوتی ان کی ساری کتابیں وہ خرید لیا کرتے تھے، چنانچہ ان کے پاس تمام مشائخ کے اصول جمع ہو گئے تھے[ذیل طبقات الحنابلہ، 319/1]، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الدرر الکامنہ میں شافع بن علی الکنانی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کتابیں جمع کرنے کے بہت شوقین تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو نفیس کتابوں سے بھرے ہوئے بیس خزانے (المارایاں) چھوڑ گئے۔

علمائے سلف میں مطالعۂ کتب کا شوق: علمائے سلف وقت کے نہایت قدردان تھے، اپنی زندگی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے، کسب علم ان کا سب سے محبوب ومرغوب مشغلہ

ہوتا تھا، وہ کھاتے اور چلتے ہوئے بھی محو مطالعہ رہا کرتے تھے، بعض تو اپنی سانسوں سے اپنی زندگی کا حساب لگایا کرتے تھے، امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے تبیین کذب المفتری میں فقیہ سلیم بن ایوب الرازی رحمہ اللہ (ت 447ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سانسوں کے ذریعہ اپنی زندگی کا حساب لگایا کرتے تھے ،کوئی بھی لمحہ رائگاں جانے نہیں دیتے تھے، یا تو کچھ لکھ رہے ہوتے، یا پڑھا رہے ہوتے، یا پڑھ رہے ہوتے تھے [تبیین کذب المفتری: ص263، وسیر اعلام النبلاء: 646/17]، یاقوت الحموی نے جاحظ رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ابو ہفان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نہ میں نے کبھی ایسے آدمی کو دیکھا اور اس کے متعلق سنا جو جاحظ رحمہ اللہ سے زیادہ کتابوں اور علوم وفنون سے محبت کرنے والا ہو، ان کے ہاتھ میں جو بھی کتاب آجاتی اس کو ابتدا سے انتہا تک پڑھ جاتے، مطالعہ کے ایسے شیدائی تھے کہ وہ اس کے لئے کتب فروشوں اور نساخوں (کاتبوں) کی دوکانیں کرایہ پر لے لیا کرتے تھے اور رات رات بھر ان کے اندر بیٹھ کر محو مطالعہ رہا کرتے تھے [ارشاد الاریب: 75/16]، اور جاحظ نے ''الحیوان'' میں لکھا ہے کہ میں نے حسن لؤلؤی (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد) کو کہتے ہوئے سنا کہ چالیس سال گزر گئے، ان سالوں میں نہ میں نے قیلولہ کیا ،نہ سویا اور نہ ٹیک لگایا مگر اس دوران کوئی نہ کوئی کتاب میرے سینے پر موجود رہی [الحیوان: 1/62]، اور حافظ ابونعیم رحمہ اللہ (ت 430ھ) کے بارے میں آیا ہے کہ وہ چلتے ہوئے بھی مطالعہ میں مشغول رہا کرتے تھے [تذکرۃ الحفاظ: 1094/3]، اور امام علم الدین بلقینی رحمہ اللہ (ت 643ھ) بھی چلتے ہوئے پڑھا کرتے تھے [طبقات القراء الکبار: 1105/3]، اور امام سخاوی رحمہ اللہ اپنے استاد ابن حجر رحمہ اللہ (ت 852ھ) کے متعلق لکھتے ہیں: ان کا شوق پڑھنا، لکھنا، سننا، عبادت وبندگی، تصنیف وتالیف اور افادہ عام تھا، ان کا ہر ایک لمحہ انہی امور میں صرف ہوتا تھا، حتی کہ کھانا کھاتے اور چلتے ہوئے بھی محو مطالعہ رہا کرتے تھے، جیسا کہ مجھ سے ان کے بعض رفقاء نے بیان کیا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے اس کے لئے اسباب مہیا کر دیتا ہے [الجواہر والدرر: 110/1]، اور ان کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے ابن حجر رحمہ اللہ کو بارہا یہ کہتے ہوئے سنا ہے: **"انی لأتعجب من یجلس خالیا عن الاشتغال"** یعنی مجھے اس شخص پر بڑی حیرانی ہوتی ہے جو بلا شغل وعمل کے خالی بیٹھا رہتا ہے [مرجع سابق]۔

ابن دقیق العید رحمہ اللہ (ت 702ھ) کے بارے میں آیا ہے کہ وہ شوق مطالعہ کی بنا پر کبھی کبھی صرف فرض نمازوں پر اکتفا کرتے تھے اور نوافل پر طلب علم کو ترجیح دیتے تھے، جب ان کو امام رافعی کی کتاب "الشرح الکبیر" حاصل ہوئی جس کو انہوں نے ایک ہزار درہم میں خریدا تھا تو اس کے مطالعے میں مشغول ہو گئے اور اس دوران صرف فرائض پر اکتفا کرنے لگے [الطالع السعید، ص580]، اور امام ثعلب رحمہ اللہ (ت 291ھ) کی سیرت میں درج ہے کہ وہ مطالعہ سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے تھے، جب کوئی انہیں مدعو کرتا تھا تو وہ اس پر یہ شرط رکھ دیتے تھے کہ وہ انہیں تکیہ جتنی جگہ فراہم کرے گا جہاں کتاب رکھ کر وہ مطالعہ کر سکیں [الحث علی طلب العلم، ص: 77]، اور محمد بن سلیمان السطی رحمہ اللہ (ت 749ھ) کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہمہ وقت لائق ستائش عمل انجام دیتے تھے، وہ بحث ونظر اور قراءت وکتابت میں منہمک رہا کرتے تھے، ہمہ وقت ان کو اسی حالت دیکھا جاتا تھا، حتی کہ وہ دربار شاہی میں بھی محو مطالعہ رہا کرتے تھے [درۃ الحجال: 135/2]، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (ت 728ھ) کے شوق مطالعہ کے بارے میں ان کے شاگرد رشید حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (ت 744ھ) فرماتے ہیں:

ان کا نفس کبھی علم سے آسودہ حال نہیں ہوا اور نہ مطالعہ سے کبھی شکم سیر ہوا، وہ مشغولیت سے بالکل اکتاتے نہیں تھے، نہ بحث ونقاش سے گھبراتے تھے، وہ جب بھی کسی علم کے ابواب میں سے کسی باب میں داخل ہوتے تو ان پر اس علم کے کتنے سارے ابواب کھل جاتے تھے اور وہ اس علم کے ماہرین کا بھی مواخذہ ومحاسبہ کرلیا کرتے تھے[مختصر طبقات علماء الحدیث 282/4]۔

علمائے سلف میں علوم وفنون جمع کرنے کا شوق: ذوق طلب اور شوق مطالعہ کی بنا پر بعض سلف کئی علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے، بعض علماء اتنے سارے علوم کے حامل ہوتے کہ ان کے اقران ان علوم کے نام تک نہیں جانتے تھے، ابن الخشاب نحوی حنبلی رحمہ اللہ (ت 567ھ) کا بیان ہے کہ: ''میں آٹھ علوم کا ماہر ہوں، مگر مجھ سے کوئی ان میں سے کسی ایک علم کے متعلق بھی سوال نہیں کرسکا، اور نہ میں کسی کو اس کا اہل پاتا ہوں'' [ذیل طبقات الحنابلہ: 317/1]، اور ابوالبقا السبکی رحمہ اللہ (ت 777ھ) فرماتے ہیں: ''میں بیس علوم پر دسترس رکھتا ہوں مگر ان سے متعلق قاہرہ میں مجھ سے کسی نے کبھی کوئی سوال نہیں کیا [درۃ الحجال: 132/2]، اور محمد بن ابی بکر بن جماعہ رحمہ اللہ (ت 819ھ) فرماتے ہیں: ''میں ایسے پندرہ علوم کا ماہر ہوں جن کے نام تک ہمارے معاصر علماء نہیں جانتے'' [البدر الطالع 148/2]، اور محمد بن احمد بن عثمان المالکی رحمہ اللہ (ت 842ھ) فرماتے ہیں: ''میں ایسے بیس علوم جانتا ہوں جن سے متعلق ایک بھی مسئلہ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا'' [البدر الطالع: 113/2]، اور احمد بونافع الفاسی رحمہ اللہ (ت 1260ھ) کا قول ہے: ''میرے پاس چوبیس علوم ہیں مگر ان میں سے کسی کے متعلق کبھی کسی نے کوئی سوال نہیں کیا [فہرس الفہارس: 124/1]، اور مشہور مورخ جبرتی نے اپنے والد علامہ حسن جبرتی الکبیر رحمہ اللہ (ت 1188ھ) کے مختلف علوم میں دسترس رکھنے کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ دس سالوں (1144ھ سے 1154ھ تک) علوم تجریبیہ کے لئے معتکف بنے رہے جیسے انجینئرنگ، فلکیات، جدید صنعتوں، حتی کہ لوہاری، کشیدہ کاری، مچھلی پالن، جلد سازی، نقش نگاری اور موازین بنانے وغیرہ میں دسترس رکھتے تھے، حتی کہ ان کا گھر ہر طرح کے صنعتی آلات اور اوزاروں کا مخزن بن گیا تھا۔[تاریخ الجبرتی 397/1]

آخری سانس تک تحصیل علم کا شوق: یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلام نے علمائے سلف کے اندر حصول علم کا جوجنون پیدا کردیا تھا اس کی بنا پر وہ زندگی بھر صحرائے علم کی خاک چھانتے رہے اور علم ومعرفت کی تلاش میں ہمیشہ جادہ پیما رہے، لیکن ان اسلاف کرام کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں جنہوں نے وفات کے وقت اور نزع کے عالم میں بھی شوق طلب اور ذوق تعلم وتعلیم کے لئے لذت آشنا رہے اور تمنائے بسیار کے ساتھ عالم بالا کی طرف محوسفر ہوئے، آیئے ان کے حسن خاتمہ کی تجلیات اور ان کی تمناؤں کے چراغ سے اپنی تاریک زندگی کے لئے کچھ روشنی کشید کرتے ہیں۔

قاضی ابویوسف رحمہ اللہ (ت 182ھ) کے بارے میں ان کے شاگرد ابراہیم بن جراح التمیمی کا بیان ہے کہ ایک روز میں ان کی عیادت کے لئے ان کے گھر آیا، میں نے ان کو بے ہوش حالت میں پایا، جب ہوش میں آئے تو مجھ سے فرمایا: اے ابراہیم، رمی جمار میں کون افضل ہے، پیدل رمی کرنے والا یا سواری سے رمی کرنے والا؟ میں نے کہا کہ سواری سے رمی کرنے والا، انہوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو، میں نے کہا کہ: پیدل رمی کرنے والا، انہوں نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو، میں نے کہا: آپ ہی کچھ فرمائیں، انہوں نے فرمایا: جو وہاں رک کر دعا کرنا چاہے اس کے لئے پیر پر کھڑے ہوکر دعا کرنا افضل ہے، اور جو وہاں

ٹھہرنا نہ چاہے اس کیلئے سواری سے رمی کرنا افضل ہے [المجموع 168/8، اضواء البیان 308/5] اور علامہ شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مسئلہ میں واضح قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے، آپ نے جمرۂ عقبہ کی سواری پر سے رمی کیا ہے اور ایام تشریق میں جاتے اور آتے ہوئے پیر پر چلتے ہوئے رمی کیا ہے، واللہ اعلم] پھر میں ان کے پاس سے لوٹتے ہوئے جیسے ہی ان کے گھر کے دروازے تک پہنچا کہ گھر والوں کی چیخ سنائی دی، امام موصوف دار فانی سے کوچ کر چکے تھے۔[الجواہر المضیئۃ: 76/1]

ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد (ابو حاتم الرازی) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (ت 266ھ) پلیگ اور پیٹ کی بیماری سے وفات پائے، حالت نزع میں ان کی پیشانی سے پسینے چھوٹ رہے تھے، میں نے محمد بن مسلم (ابن وارہ) سے پوچھا کہ مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کے بارے میں کوئی حدیث یاد ہے؟ محمد بن مسلم نے کہا کہ اس سلسلے میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اور ابھی ان دونوں کی گفتگو مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ابوزرعہ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: عبد الحمید بن جعفر نے صالح بن ابی عریب سے اور انہوں نے کثیر بن مرۃ سے اور انہوں نے معاذ بن جبل سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: "**من كان آخر كلامه لااله الا الله دخل الجنة**" اس کے بعد پورا گھر حاضرین کی آہ و بکا سے گونج اٹھا۔[مقدمۃ الجرح والتعدیل، ص: 345]

ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ (ت 277ھ) کے بیٹے عبد الرحمن نے جرح وتعدیل کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ میں اپنے والد رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت وہ حالت نزع میں تھے لیکن مجھے اس کی خبر نہیں تھی، میں نے ان سے پوچھا کہ عقبہ بن عبد الغافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں تو کیا ان کی صحبت ثابت ہے؟ انہوں نے سر کے اشارے سے فرمایا کہ نہیں، میں مطمئن نہیں ہوا اور ان سے کہا: کیا آپ میری بات سمجھے ہیں؟ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا ان کو صحبت کا شرف حاصل ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ تابعی ہیں۔

ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: میرے والد کا بنیادی عمل حدیث اور ناقلین حدیث کی معرفت حاصل کرنا تھا، ان کی زندگی میں ان سے یہ سب کچھ حاصل کیا جاتا رہا اور اللہ تعالی نے ان کی وفات کے وقت بھی ان سے وہی کام لے لیا۔

امام ثعلب لغوی (ت 291ھ) کے سبب وفات کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ جمعہ کے روز عصر بعد جامع مسجد سے نکلے، ان کی سماعت خراب ہوگئی تھی اور بڑی مشکل سے سن پاتے تھے، وہ ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے راستہ طے کر رہے تھے کہ اچانک ایک گھوڑے نے ٹکر مار دیا اور ان کو گڑھے میں گرا دیا، جب اس سے باہر نکالے گئے تو دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا تھا، اسی حالت میں انہیں گھر لایا گیا، ان کے سر میں چوٹ لگی تھی، دوسرے دن وہ انتقال کر گئے۔[وفیات الاعیان: 104/1]

یہ ہمارے اسلاف کرام کی علمی دیوانگی کی چند مثالیں ہیں جو ان کے گوہر نایاب اور یکتائے روزگار ہونے کی شہادت پیش کرتی ہیں، ان کے سوا بھی دیگر ائمہ دین کے شوق طلب وشیمہ جستجوئے معرفت کے تابندہ واقعات ہماری سنہری علمی تاریخ کی رعنائی ودلفریبی میں اضافہ کا باعث ہیں، نیز وہ ہم تشنہ کاموں کو لذت کام ودہن فراہم کرنے کے ساتھ ہمارے سفر علم وآگہی کے شب ہائے دیجور میں قندیل ہدایت ثابت ہوسکتی ہیں، اللہ تعالی ان اعاظم رجال اور محسنین قوم وملت پر اپنی رحمتوں کا فیضان عام کرے اور ان پر اپنے انعامات واکرامات کا اتمام کرے۔ آمین

تعلیم وتعلم

مدارس کا نصاب اور چند گذارشات

● شیخ رشید سمیع سلفی (ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

نصاب ہمارے نونہالوں کے ذہنی نشو ونما کی خشت اول ہے، اس کی علمی چھاؤں میں بچوں کی سوچ وفکر پروان چڑھتی ہے،قوموں نے ہمیشہ اپنے نصاب کو بہترین دماغوں کے روغن سے سیراب کیا ہے اور دوسروں کے نصاب سے استفادے کو کبھی معیوب نہیں سمجھا ہے،اس لئے نصاب تعلیم کا جائزہ بیدار مغز ہونے کی دلیل ہے،نصاب کو کبھی تقدس کا درجہ نہیں دینا چاہیے بلکہ وقت اور زمانے کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس میں حذف واضافہ اور ردوبدل کرتے رہنا چاہیے۔

اصلاح وترمیم کی کاوشیں زندہ قوموں کی علامت ہوتی ہیں، انسانوں کی بنائی ہوئی کوئی بھی چیز حرف آخر نہیں ہوتی،اس میں ترمیم واصلاح کی گنجائش ہوتی ہے،ایک زمانے سے چیخنے چلانے کا ایک فائدہ تو ہوا کہ منطق وفلسفہ کا ہمارے نصاب سے دیس نکالا ہوا،لیکن سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے ایسا بالکل بھی نہیں کہہ سکتے ہیں،ابھی بھی تبدیلی واصلاح اور غور وفکر کی ضرورت ہے۔

یہ تغیر پذیر دنیا ہے، یہاں ہر شعبے میں نئے آئیڈیاز اور تدابیر پر تجربہ جاری رہتا ہے،اس لئے مدارس کو بھی عصر حاضر کے مزاج کو دیکھتے ہوئے قدم بڑھانا چاہئے،سب سے پہلے تو یہ دیکھا جائے کہ ہم کس سبجیکٹ کو کتنی جگہ دے رہے ہیں اور اس کے نتائج کیا نکل رہے ہیں؟نحو وصرف متوسطہ سے شروع ہوتا ہے تو عالمیت تک کورس میں شامل رہتا ہے،اس کے باوجود بھی عربی زبان کی وہ مہارت طلبہ میں مفقود ہوتی ہے جس سے وہ عربی زبان میں تقریر وتحریر کے میدان میں قدم رکھ سکیں،جدید عربی تو یہ ذرا بھی نہیں سمجھتے،خامی کہاں ہے؟کہیں طریقۂ کار میں تو نقص نہیں؟ یہ کیسا مائنڈ سیٹ بن گیا ہے کہ بعض ذہین طلبہ کے بارے میں سنا گیا کہ انہوں نے پوری ہدایۃ النحو عبارت سمیت حفظ کرلی تھی، کسی نے کافیہ نوک زبان کرلیا تھا،کوئی پوری ڈکشنری یاد کرچکا تھا،سوال یہ ہیکہ اتنی لمبی ریاضت کی ضرورت کیا تھی؟بس یہی ناں کہ زمانۂ طالب علمی اور دور تدریس میں لوگوں پر اس حوالے کا رعب طاری رہا، قصیدہ گوئی ہوتی رہی، یہ انرجی اس سے بہتر متبادل میں استعمال کی جاسکتی تھی،مسائل پر منتخب احادیث یاد کرلی جاتی یا بعض موضوعات سے متعلق آیات حفظ کرلیا ہوتا تو پوری زندگی قدم قدم پر کام آتی،حفظ کا شوق تھا تو قرآن مجید حفظ کرلیا ہوتا، یہ کتابیں حفظ کرنے کے لئے نہیں بلکہ سمجھ کر پڑھنے کے لئے تھیں۔

گرامر کسی آسیب کی طرح شروع سے لے کر آخر تک اعصاب پر سوار رہتا ہے،بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ گرامر پر مزیدار لطیفے بھی بنا لیتے ہیں، جسے سن سن کر عجم کے طلبہ لطف اندوز ہوتے ہیں، یہاں تک کہ سیبویہ قبر میں ملک الموت سے گرامر کے داؤ پیچ کھیلتا ہوا نظر آتا ہے،طلبہ کا سر رشتۂ ذہن گرامر میں ہی الجھا ہوتا ہیکہ اسے بحیثیت ایک زبان کے پڑھنا مفقود ہوجاتا ہے اور زبان کے دوسرے تقاضے بھی اوجھل رہتے ہیں، اسی لئے **العربیہ**

للجمیع کے ایک استاد نے کہا تھا کہ عربی دانی کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ گرامر ہے، حیرت ہے دن رات عربی کتابیں ڈھونے والے طلبہ عربی بول نہیں سکتے، عربی میں چند جملے صحت کے ساتھ نہیں لکھ سکتے، فراغت کے بعد بھی صورتحال جوں کی توں ہوتی ہے، ہمارے طلبہ ان مزدوروں سے بھی گئے گذرے ہوتے ہیں جو دو سال مملکہ میں رہ کر عربی بول چال سیکھ لیتے ہیں، ہمارے فارغین آٹھ سال کے طویل تعلیمی عرصے میں بھی عربی بول چال سے نابلد رہ جاتے ہیں، اس نقص کو دور کرنے کی ضرورت ہے، نصاب اور طرز تدریس کو ایسا بنایا جائے کہ کتاب وسنت سے براہ راست استفادہ کے ساتھ عربی بول چال میں بھی طلبہ ماہر ہوں۔

آگے جا کر حدیث کی کتابوں کا سفر شروع ہوتا ہے یہ سفر بھی فضیلت سال آخر تک چلتا ہے، اتنے سالوں تک صبح وشام حدیث کا ورد کرنے والے طلبہ اہم ترین مسائل پر حدیث پیش کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ روزمرہ کی عبادت نماز کے مسائل کیلئے دلائل کا استحضار نہیں رہتا، درجۃ الحدیث کا بھی پتہ نہیں ہوتا، کبھی کبھار تو حوالے بھی اتنے کمزور لہجے میں دیتے ہیں کہ سننے والے بھی افسوس کرتے ہیں، یہ کہنا کہ حدیث میں آیا ہے یا شاید میں نے کہیں پڑھا ہے، ایک عالم کے شایان شان نہیں ہوتا، مختلف فیہ مسائل میں اپنا کوئی شعوری موقف نہیں ہوتا بلکہ مسلک کے ماتحت ہو کر ایک طے شدہ موقف سے ذہن وفکر کو باندھ لیتے ہیں، میرا مقصد مسائل میں ذہنی آوارگی کی دعوت دینا نہیں بلکہ صحیح موقف کو دلائل کی روشنی میں شرح صدر کی حد تک ادراک کر لینا اور پیش کرنا ہے۔

نصاب کی بعض کتابیں نہ صرف طلبہ بلکہ مدرسین کے معیار سے بھی بلند ہوتی ہیں، چھوٹے اداروں کو بڑے اداروں کی نصابی غلامی سے بچنے کی ضرورت ہے، بڑے اداروں میں ذہین اور معیاری طلبہ جاتے ہیں، اس لئے ان کی ذہنی سطح کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور وہ اس معیار کے متحمل بھی ہوتے ہیں، دوسرے اداروں کو اپنے طلبہ کی ذہنی سطح اور علمی معیار کو دیکھتے ہوئے کتابوں کا انتخاب کرنا چاہیے، وگرنہ طلبہ میں متعلقہ فن کا ادراک تو پیدا ہونے سے رہا البتہ امتحانات کے مرحلے کو سر کرنے کیلئے رٹّا بہترین مشغلہ بن جاتا ہے۔

خطابت وتقریر کی مشق تو کرادی جاتی ہے لیکن صحافت میں کم ہی لوگ مہارت لے کر نکلتے ہیں، اردو زبان میں ہی صحیح ڈھنگ کا ایک مضمون تحریر نہیں کر سکتے۔

ایک طویل زمانہ دینی ادارے میں گذارنے کے بعد جذبۂ دین ودعوت مادیت سے مات کھاتا ہوا نظر آتا ہے، قدم قدم پر معاوضے کی طلب اور معاوضے کے بغیر کسی دینی کام میں دلچسپی نہ لینا مزاج بن جاتا ہے، سات آٹھ سال تک جس دل ودماغ پر کتاب وسنت کا نور برستا رہا ہو وہ مادی مطلب براری سے اوپر اٹھ کر کار دعوت انجام دینے کا شوق نہ رکھے تو افسوسناک بات ہے، علوم دینیہ سے انسان آراستہ ہو جاتا ہے لیکن دینی جذبات، دعوتی اسپرٹ، مخلصانہ تڑپ اور مومنانہ فکر سے عاری ہوتا ہے، فارغ ہوتے ہی کم تنخواہوں کا مقدمہ لے کر بیٹھ جانا اور سوشل میڈیا پر چیخ وپکار کرنے والوں کے صف میں شامل ہو جاتا ہے، امامت وتدریس کے میدان میں تنخواہوں کے پست معیار سے انکار نہیں ہے، سوال یہ ہیکہ اس کا بے مقصد پروپیگنڈہ کیا معنی رکھتا ہے؟ ابھی جمعہ جمعہ ایک ہفتہ ہوا مدرسے سے نکلے ہوئے کہ تنخواہوں کے بحران کا رونا رونے لگے، آخر تربیت کے نام پر ایسے عناصر کی شخصیت پر مدارس نے کون سی چھاپ چھوڑی ہے کہ

رضا کارانہ طور پر قوم وملت کیلئے کچھ کرنا گراں گذرتا ہے،شاید یہی بات علامہ اقبال نے اپنے انداز میں کہی ہے ۔

اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبّت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

کہنے کو تو بعض عصری مضامین نصاب میں شامل کر لئے گئے ہیں لیکن طلبہ میں عصری مضامین پر درک نہیں ہوتا، وہ تمام مضامین میں کمزور واقع ہوتے ہیں، انگریزی دانی بھی بہت سرسری ہوتی ہے، آخر کیوں نہیں عصری مضامین کو مؤثر اور معیاری بنایا جاتا ہے؟ محنتی اور ماہر اساتذہ رکھے جاتے ہیں؟ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہمارے طلبہ ایس ایس سی اور ایچ ایس سی کا امتحان مدارس کی عصری تعلیم کے بل پر دے سکتے، کم از کم سائنس اتنا تو پڑھ لیتے کہ دنیا انھیں چپٹی نہیں بلکہ گول نظر آتی اور زمین کے سورج کے گرد گھومنے پر انھیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا، جی ہاں عصری مضامین اس درجہ پڑھا دیا جائے کہ وہ اہم اور بنیادی معلومات لے کر مدارس سے فارغ ہوں تا کہ وہ عصری علوم کیلئے جگہ جگہ اجنبی ثابت نہ ہوں۔

تدریس صرف چٹائی توڑنے اور کلاس روم میں یکطرفہ لیکچر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ بلیک بورڈ کا استعمال اور مضمون پر ترکیز کیلئے مؤثر طریقۂ تدریس کا استعمال ضروری ہے، طریقۂ تدریس کو جدید اسلوب سے ہم آہنگ کرنا اور سوالیہ انداز میں پڑھانا بہت مفید ہوتا ہے، طلبہ پر دستور زباں بندی ایک غیر سنجیدہ عمل ہے، کلاس میں انھیں کھل کر اپنا مدعا رکھنے کی اجازت ہو، استاد کو کلاس روم میں طلبہ کے ذہنوں سے جڑ کر کلاس لینا چاہیے، مشق وتمرین کے جدید طریقوں سے استفادہ بھی ہو۔

یہ فتنوں کا دور ہے، جدید دور کی ترقی اور افکار ونظریات نے معصوم ذہنوں میں جو گرد وغبار بھرا ہے، اسلامی حقائق کے گرد سوالات اور شکوک وشبہات کا جو تانا بانا پھیلایا ہے، اس کا شعور، تجزیہ اور علمی سطح پر اس سے مقابلے کیلئے تربیت بنیادی کام ہے، انکار حدیث، الحاد، لبرلزم، تشکیک، جدیدیت، مغرب کے فکری یلغار کے جواب کیلئے طلبہ کو علمی وعقلی ہتھیاروں سے لیس کرنا مدارس کا فرض ہے؟ ذرا ان کو کتابوں کے بالا خانے سے نیچے لا کر فکری یلغار اور حقیقت کی دنیا کے نشیب وفراز سے آگاہ کیا جائے، وگرنہ بعد از فراغت ہمارے طلبہ دنیا کی بھیڑ میں ایسے ہی ہونگے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

بے رحم سوالات کی بارش میں کھڑے ہیں
اوراق لئے منطق وفلسفہ کے سارے

حیرت ہوتی ہے ان طلبہ پر جو مدارس سے نکل کر یونیورسٹیوں میں جاتے ہیں تو وہ یکسر بدل جاتے ہیں، وضع قطع، انداز فکر، ترجیحات پہلے جیسی نہیں رہ جاتیں، اسلامی تشخص کا یونیورسٹی کے ماحول میں قلب ماہیت ہوجاتا ہے، سوال یہ ہے کہ مدارس کی آٹھ سالہ تربیت اس قدر غیر مستحکم تھی کہ جو وقتی ہواؤں سے مات کھا گئی، اگر لوگ اسے ترقی اور بیدار مغزی کہتے ہیں تو مجھے بتائیں کہ وہ یونیورسٹی سے نکل کر خدمت دین کے نام پر کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ صرف مدارس پر اپنا نزلہ گراتے ہیں، دقیانوسی اور فرسودگی کا طعنہ دیتے ہیں، جی ہاں انھیں مدارس پر جن کی اسناد پر وہ یونیورسٹی کے لائق بنے تھے، مدارس کے طلبہ یونیورسٹی میں الحاد ودہریت کے حملے سے بھی اپنے عقیدہ وفکر کی حفاظت نہیں کر سکے ہیں، ایسی بھی مثالیں سامنے آتی رہی ہیں، شاعر نے سچ کہا تھا۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا اِلحاد بھی ساتھ

تعلیم وتعلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلوب تعلیم وتربیت

● دکتور جاوید ندیم سنابلی مدنی (داعی وباحث صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ﴾ [الجمعۃ:۲]

''وہ ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے''۔

ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ جل ثناءہ فرماتا ہے: وہ۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ان اُمّی لوگوں پر اللہ کی وہ آیات پڑھ کر سناتے ہیں جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں، ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں)؛ یعنی وہ انہیں کفر کی گندگی سے پاک وصاف کرتے ہیں۔ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ﴾ اور وہ انہیں اللہ کی کتاب اور اس میں موجود اللہ کے احکامات، اس کی منع کی ہوئی چیزیں اور دین کے قوانین سکھاتے ہیں۔ اور ﴿وَٱلْحِكْمَةَ﴾ اور انہیں سنت نبوی سکھاتے ہیں''۔ [تفسیر طبری،22/627]

یہ آیت وضاحت کرتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو قرآن وسنت کی تعلیم کے ساتھ انہیں اخلاق وعمل کی بھی تعلیم دی۔ اسی تعلیم کے نتیجہ میں دین اور قوم وملت کی خدمت گزار، پاکیزگی اور اعلی اخلاق وکردار کی حامل ایسی عظیم نسل تیار ہوئی جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

سوال یہ ہے کہ ایسی عظیم نسل کی تیاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون سے اسالیب اختیار کئے؟ اس کی وضاحت کے لیے ذیل کی سطروں میں قرآن وسنت کی روشنی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلیمی وتربیتی منہج کے چند اسالیب کا ذکر کیا جا رہا ہے:

اول: سوال وجواب کا اسلوب

ماہرین تعلیم کے مطابق سوال وجواب کا اسلوب طالب علم کو دوران تعلیم متوجہ رکھتا ہے، سوال وجواب یا مناقشہ طالب علم میں غور وفکر کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، نیز اسے صرف سننے والا بننے کے بجائے ایک فعال اور شرکت کرنے والا رکن بنا دیتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: ''**بَابُ طَرْحِ الإِمَامِ المَسْأَلَةَ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ العِلْمِ**'' ''امام (استاد یا پیشوا) کا اپنے ماتحتوں کے سامنے کوئی مسئلہ پیش کرنا تاکہ ان کے علم کا امتحان لیا جا سکے''۔ [أهمية دراسة السيرة النبوية للمعلمين، حصة بنت عبد الكريم،ص36]

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد مواقع پر دین واخلاق کی تعلیم کے لیے

سوال وجواب کا اسلوب استعمال فرمایا، مثلاً:

1۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا: ”أَتَدْرُونَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟“ ”کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے“؟ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ذہن میں موجودہ مفہوم کے خلاف اس کا ایسا جواب دیا جو نہ صرف ذہنوں میں راسخ ہوگیا بلکہ ان کی تربیت اور اخلاق وکردار پر بھی اثر انداز ہوا۔ دیکھیں [صحیح مسلم: 2581]

2۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے پوچھا: ”أَتَدْرُونَ مَنِ الْمُسْلِمُ؟“ ”کیا تم جانتے ہو مسلمان کون ہے؟“ صحابہ کرام نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ“ ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں“۔ پھر سوال فرمایا: ”تَدْرُونَ مَنِ الْمُؤْمِنُ؟“ ”جانتے ہو مومن کون ہے؟“ صحابہ کرام نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”مَنْ أَمِنَهُ الْمُؤْمِنُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ“ ”مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں پرامن رہیں“۔ [مسند احمد: 7017۔ شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے]

دوم: قصہ بیان کر کے تربیت کا اسلوب:

قصہ دراصل تعلیم میں تشویق اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے معلومات اور نتائج ذہنوں میں جلد بیٹھ جاتے ہیں۔ قصہ بیان کرنے کا انداز جتنا اچھا ہوگا اتنا ہی سامعین کی توجہ مبذول ہوگی اور وہ دل ودماغ پر اثر انداز ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے متعدد مواقع پر تعلیم دینے کے لئے قصہ بیان کرنے کا اسلوب اختیار کیا، تاکہ اہل ایمان قصوں میں غور کر کے ان سے عبرت اور سبق حاصل کریں، مثلاً:

1۔ غار میں پھنس جانے والے تین افراد کا قصہ، تاکہ دعا اور اعمال صالحہ کی اہمیت سکھائی جاسکے۔ [صحیح بخاری: 5974]

2۔ اسی طرح مشہور قصہ ہے کہ: حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس قریش کی جانب سے پہنچنے والی تکلیفوں کی شکایت کیں۔ جس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ مؤمنین پر پیش آنے والی انتہائی تکلیف دہ مصیبتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”لَقَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ، فَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ“ ”تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان میں سے کسی شخص کو پکڑ لیا جاتا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر آرا لایا جاتا اور اس کے سر پر رکھ کر اسے دو ٹکڑوں میں چیر دیا جاتا، اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کے جسم کو۔ گوشت اور ہڈیوں تک پہنچا دیا جاتا، مگر یہ آزمائشیں۔ اسے اس کے دین سے نہ پھیر سکیں“۔ [صحیح بخاری: 3612]

اس واقعہ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ امت کو بتا رہے ہیں کہ اہل توحید کا اذیتوں اور آزمائشوں میں مبتلا کیا جانا ایک پرانی

سنت ہے، ہم سے پہلے لوگوں نے جانیں قربان کر دیں مگر استقامت اختیار کی؛ جس کی بنا پر نتیجہ انہیں کے حق میں رہا، اسی طرح یہ دین بھی غالب ہو کر رہے گا؛ لیکن استقامت شرط ہے۔ اسی طرح اس قصے میں صبر کی فضیلت اور نتائج حاصل کرنے میں جلد بازی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

سوم: مثالیں بیان کرنے کا اسلوب:

ضرب الأمثال: یعنی: مثال کے ذریعہ کسی بات کو سمجھانا۔ مثالوں کے ذریعہ مختصر لفظوں میں بہت گہری باتیں خوبصورتی سے بیان کر دی جاتی ہیں۔ مثالیں دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں اور تعلیم و تفہیم کا نہایت مؤثر اسلوب ہوتی ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں متعدد مقامات پر توحید باری تعالی، رسالت اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کو کئی مثالوں کے ذریعہ سمجھا کر کفار و مشرکین کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ [دعوت دین میں مثالوں کی اہمیت جاننے کے لئے دیکھیں: 1- الأمثال فی الحدیث النبوی، الأصبہانی، ص18۔ 2- زہر الأکم فی الأمثال والحکم، حسن الیوسی، 1/31۔ 3- ادب الدنیا والدین، الماوردی، ص275۔ 4- إعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن القیم، 1/239]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کے اخلاق و کردار کو سنوارنے کے لئے بعض چیزوں کو بطور مثال پیش کیا ہے؛ تاکہ مومن اس کی روشنی میں اپنی تربیت و اصلاح کر سکے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی مثال شہد کی مکھی سے دیتے ہوئے فرمایا: **"مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّحْلَةِ لَا تَأْكُلُ إِلَّا طَيِّبًا وَلَا تَضَعُ إِلَّا طَيِّبًا"** "مومن کی مثال شہد کی مکھی کی طرح ہے، جو پاکیزہ چیز کھاتی ہے اور پاکیزہ چیز ہی نکالتی ہے"۔ [صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: 5267۔ المعجم الکبیر، الطبرانی، حدیث نمبر: 19/204۔ مستدرک حاکم، حدیث نمبر: 253]

ایک اور روایت کے الفاظ میں یہ اضافہ ہے: **"وَإِنْ وَقَعَتْ عَلَىٰ عُوْدٍ نَخِرٍ لَمْ تَكْسِرْهُ"** "اور اگر وہ بوسیدہ شاخ پر بھی بیٹھے تو وہ اسے توڑتی نہیں"۔ [شعب الایمان، البیہقی، امام بیہقی نے اس حدیث کو مرفوع اور موقوف دونوں طرح روایت کیا ہے۔ مرفوع نمبر: 5766، موقوف نمبر: 5765۔ اور کہا ہے: "هذا هو المحفوظ بهذا الإسناد موقوف"۔ اس سند سے موقوف روایت ہی محفوظ ہے۔ اس حدیث کو شیخ البانی اور احمد شاکر نے صحیح کہا ہے۔ دیکھیں: سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، حدیث نمبر: 2288]

ان مختصر مگر جامع الفاظ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومن کی مثال شہد کی مکھی سے دے کر اس کی انتہائی اہم خوبیاں بیان کی ہیں، مثلاً: (1) پاکیزہ غذا استعمال کرنا۔ (2) دنیا کو پاکیزہ اور عمدہ غذا فراہم کرنا۔ (3) کسی کو تکلیف نہ دینا۔

اس طرح مومن کو یہ تعلیم دی ہے کہ امت کا ہر فرد انفرادی طور پر اور پوری امت مجموعی طور پر اپنے آپ کو ان صفات کی مصداق بنا لے۔

چہارم: اسلوب تکرار

کسی اہم مسئلے یا حکم پر زور دینے یا دہرانے سے بات یاد کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جدید تعلیمی اسالیب میں تکرار کے عمل کو بہت اہمیت دی جاتی ہے؛ کیونکہ یہ سیکھنے والے کے حافظے میں پختگی پیدا کرتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

ﷺ اپنی بات کو تاکید کے لیے تین بار دہراتے تھے:

"أَنَّهُ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا". "نبی ﷺ جب کوئی بات فرماتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے"۔ [صحیح بخاری:95]

پنجم: حوصلہ افزائی کا اسلوب:

طالب علم کی توجہ اور اسمیں علم کا شوق بڑھانے کے لئے اس کی حوصلہ افزائی نہایت مؤثر اسلوب ہے۔ دوران تعلیم اگر استاذ کی جانب سے پوچھے جانے والے سوالوں کا طالب علم جواب دے یا اچھا سوال پوچھے تو اسے شاباشی دی جانی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ کوئی بھی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے جس میں آپ درست بات یا کام کرنے والے صحابہ کرام کی تعریف نہ فرماتے ہوں۔

1۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سوال کیا: "مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟" "قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی سعادت حاصل کرنے والا سب سے خوش نصیب انسان کون ہوگا؟" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ" "اے ابوہریرہ! میرا یہ گمان تھا کہ تم سے پہلے کوئی بھی مجھ سے اس کے بارے میں سوال نہیں کرے گا، کیونکہ میں نے حدیث سیکھنے کے متعلق تمہارا شوق اور تڑپ دیکھ لی تھی"۔ [صحیح بخاری:99]

2۔ اہل یمن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیجیں جو انہیں سنت اور اسلام کی تعلیم دے سکے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: "هذا أمِينُ هذِهِ الأُمَّةِ" "یہ اس امت کے امین یعنی: امانت دار ہیں"۔ (صحیح بخاری:4380، صحیح مسلم:2420)

3۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کتاب فضائل ومناقب صحابہ میں ایسی کئی حدیثیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب سے متعدد صحابہ کرام کی تعریف اور حوصلہ افزائی پر مشتمل ہیں۔

خاتمہ:

طالب علم کی شخصیت سازی میں نبی ﷺ کا اسلوب تعلیم نہایت ہی مؤثر ہے۔ اس اسلوب میں تزکیہ اور تعلیم دونوں پر توجہ دی گئی ہے؛ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، دراصل اسلام میں اخلاق کے بغیر علم کی کوئی قدر نہیں۔

مسلم معاشرہ کا اہم مسئلہ یہ ہے کہ عصری تعلیم میں علم اور عمل یا کردار سازی کے درمیان واضح خلیج ہے۔ بہت سے افراد ایسے ہیں جو دنیاوی علوم کے ماہر ہیں؛ لیکن ان کا کردار دین واخلاق سے محروم نظر آتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اساتذہ ومربیان تعلیم سیرت نبوی ﷺ کو عملی نمونہ بنائیں تاکہ آنے والی نسل نہ صرف تعلیمی بلکہ اخلاق اور تزکیہ کے لحاظ سے بھی پختہ کردار کی مالک ہو۔

اصلاح وتربیت

سنتِ نبوی اور اصلاحِ عوام کا انداز

● ڈاکٹر سفیان قاضی مدنی (رئیس مرکز کوکن، استاد عقیدہ جامعہ محمدیہ کوکن)

سنتِ نبوی ﷺ انسان سازی کا ایک ہمہ گیر اور متوازن نظام ہے جو عقیدہ درست کرتا ہے، ایمان کو زندہ رکھتا ہے، اخلاق کو نکھارتا ہے، اور انسان کو بتدریج اس مقام تک لے جاتا ہے جہاں وہ خود بھی سنور جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی روشنی کا سبب بن جاتا ہے۔

قرآنِ مجید میں جگہ جگہ اللہ رب العزت نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ مومن کی اصل پہچان اطاعتِ سنتِ رسول ﷺ ہے۔ ایمان محض دعویٰ کا نام نہیں، بلکہ دل کی گہرائی سے تسلیم کرنے اور عملاً سرِ تسلیم خم کر دینے کا نام ہے۔ سورۂ نور کی آیت 51 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُواْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَاۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴾ [النور:۵۱]

یعنی سچے اہلِ ایمان کا طرزِ عمل یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ بلا تردد کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

سنت محض تاریخی روایت نہیں، بلکہ وہ زندہ ضابطۂ حیات ہے جو ایمان کو کمال تک پہنچاتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو مومن کہتا ہے مگر سنت کے مقابلے میں اپنی خواہشات، رسم و رواج یا مفادات کو ترجیح دیتا ہے، اسے اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سنت کے حقیقی علمبردار ہیں۔ اگر ہم سنت کے مقام و عظمت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں صحابۂ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ ان حضرات کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ادھر حکمِ رسول ﷺ صادر ہوا اور اُدھر عمل شروع ہو گیا۔ نہ تاویل، نہ تاخیر، نہ حیلہ، نہ بہانہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ معروف ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہر قول و فعل کی اس درجہ پیروی کرتے تھے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا۔ انھوں نے صرف فرائض و واجبات ہی نہیں، بلکہ سنت کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو کو بھی اپنی زندگی کا حصہ بنایا۔ اگر کسی مقام پر آپ ﷺ نے قیام فرمایا تھا تو وہاں قیام کرتے، جہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی وہاں نماز پڑھتے، حتیٰ کہ سفر میں بھی آپ ﷺ کے طریقے کی مکمل اتباع کرتے۔ یہ سنتِ نبوی کی عظمت کا عملی اعتراف تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کامیابی کا راستہ اسی در سے ہو کر گزرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ نہایت شفقت، محبت اور حکمت سے پیش آتے تھے؛ اگر کوئی خطا بھی کر بیٹھتا تو آپ ﷺ اسے مایوس نہیں کرتے بلکہ اصلاح کا دروازہ کھولتے۔ ایک صحابی نے کسی لغزش پر ندامت کے ساتھ حاضر ہو کر رہنمائی چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں امید دلائی کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا

دیتی ہیں، اور یوں ان کے دل کو تسلی دی۔ اسی طرح ایک شخص جو رمضان میں روزے کی حالت میں بیوی سے تعلق قائم کر بیٹھا تھا، گھبرا کر آیا تو آپ ﷺ نے سختی کے بجائے کفارہ بتا کر آسانی فرمائی، یہاں تک کہ اس کی محتاجی دیکھ کر مسکرا دیے اور صدقہ کی کھجوریں اسی کے گھر والوں کو دینے کی اجازت دے دی۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی سنت لوگوں کو رسوا کرنا نہیں بلکہ سنوارنا، اور دل توڑنا نہیں بلکہ جوڑنا تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ آج ہمارا مقام کیا ہے؟

ہم احادیث سنتے ہیں، دروس میں شریک ہوتے ہیں، سیرت کے جلسوں میں جذباتی تقاریر سنتے ہیں، مگر جب عمل کا وقت آتا ہے تو کہتے ہیں:

''دیکھیں گے...... سوچیں گے...... ابھی حالات مناسب نہیں......''۔

یہ طرزِ عمل مومن کا نہیں، بلکہ کمزوریِ ایمان کی علامت ہے۔ سنت کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی بات صحیح طور پر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جائے تو ہمارے لیے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا ہی اصل سعادت ہو۔

مگر افسوس! ہم نے اپنے نفس کو دین پر حاکم بنا لیا ہے۔

ہم اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق نصوص کی تاویل کرتے ہیں۔

سنت واضح ہوتی ہے، مگر ہم کہتے ہیں: ''اس کا مطلب کچھ اور ہے......''

''یہ حکم اُس وقت کے لیے تھا......''

''آج کے حالات مختلف ہیں......''

یہ رویہ بندگی کا نہیں، بلکہ نفس پرستی کا ہے۔

پھر جب صحیح حدیث سامنے آتی ہے تو ہم مسلکوں اور شخصیتوں کے نام پر تعصب کا جھنڈا اٹھا لیتے ہیں۔

ہم یہ نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا، بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے حلقے میں کیا رائج ہے۔

حالانکہ سلفِ صالحین کا طریقہ یہ تھا کہ جب سنت سامنے آ جاتی تو وہ اپنی رائے ترک کر دیتے تھے۔ ان کے نزدیک اصل حجت قولِ رسول ﷺ تھا، نہ کہ کسی شخصیت کا قول۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض لوگ عقل کو سنت کے مقابل کھڑا کر دیتے ہیں۔

کہتے ہیں: ''یہ بات عقل میں نہیں آتی......''

''یہ ہمارے فہم کے خلاف ہے......''

یاد رکھئے! نص کے مقابلے میں عقل کو حاکم بنانا اہلِ سنت کا طریقہ نہیں، بلکہ معتزلہ کا منہج تھا۔ انہوں نے عقل کو وحی پر مقدم کیا اور بہت سی صحیح نصوص کی تاویل یا انکار کی راہ اختیار کی۔

اہلِ سنت والجماعت اور سلفِ صالحین کا منہج یہ تھا کہ عقل، وحی کے تابع ہے؛ وحی عقل کی تابع نہیں۔

اور اگر آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھیں تو وہاں اس حقیقت کا عملی نمونہ ملتا ہے۔

وہ صرف سنت کے راوی نہ تھے، بلکہ سنت کے عملی ساتھی تھے۔

وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے چلنے میں، بیٹھنے میں، عبادت میں، معاملات میں، حتیٰ کہ معمولاتِ زندگی میں بھی۔

ان کے لیے سنت کوئی نظری بحث نہ تھی، بلکہ زندہ حقیقت تھی۔

جب فرمانِ مصطفی ﷺ صادر ہوتا تو وہ یہ نہیں سوچتے تھے کہ ''کیا یہ ہماری عقل کے مطابق ہے یا نہیں؟''

وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ''ہمیں اس کی حکمت پہلے سمجھائی جائے......''

وہ یہ نہیں پوچھتے تھے کہ ''کیا اس کا کوئی اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے؟''

بلکہ ان کا جواب ایک ہی ہوتا تھا:

﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾

غزوۂ بدر ہو یا صلح حدیبیہ، تحویلِ قبلہ ہو یا حرمتِ شراب ہر موقع پر صحابہ نے عملاً یہ ثابت کیا کہ ان کے نزدیک فرمانِ رسول ﷺ کے مقابلے میں نہ عقل کو دوڑایا جاتا ہے، نہ خواہش کو، نہ رائے کو۔

تحویلِ قبلہ کا حکم آیا تو دورانِ نماز رخ بدل دیا۔

شراب کی حرمت کا اعلان ہوا تو مدینہ کی گلیوں میں شراب بہا دی گئی۔

کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ ''ہم سوچ لیں گے......''

کوئی یہ نہ بولا کہ ''یہ معاشی نقصان ہوگا......''

یہ تھا سنت کی عظمت کا عملی اعتراف۔

آج ہمیں خود سے پوچھنا ہوگا:

کیا ہم بھی سنت کے ساتھ ایسے جڑے ہوئے ہیں؟

یا ہم سنت کو اپنی رائے، اپنے مسلک، اپنے ماحول اور اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں؟

یاد رکھئے!

سنت عظیم ہے۔ یہ وحی کی عملی تفسیر ہے۔ یہ ایمان کی جان ہے۔ یہی نجات کا راستہ ہے۔

جو شخص سنت کے سامنے جھک جاتا ہے، وہ دراصل اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے۔

اور جو سنت کے مقابلے میں عقل و نفس کو مقدم کرتا ہے، وہ سلف کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔

آیئے! ہم اپنے دلوں کو جھنجھوڑیں، اپنے تعصّبات کو توڑیں، اپنی خواہشات کو قربان کریں، اور صحابۂ کرام کی طرح سنتِ نبوی کے ساتھ عملی وابستگی اختیار کریں۔

کہ عزت بھی اسی میں ہے، عظمت بھی اسی میں ہے، اور کامیابی بھی اسی میں ہے۔

آج ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ:

کیا سنت ہمارے لیے محض معلومات ہے یا عملی دستور؟

کیا ہم اپنی خواہشات کو سنت پر قربان کرنے کے لیے تیار ہیں؟

کیا ہم اپنے گھروں، معاشرت، کاروبار اور معاملات میں سنت کو مقام دے رہے ہیں؟

اگر نہیں، تو ہمیں اپنے ایمان کی تجدید کرنی ہوگی۔

خواتین اور سنت کی پاسداری:

عہدِ رسالت کی خواتین بھی سنت کے باب میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔ جب حجاب کا حکم نازل ہوا تو انہوں نے فوراً اپنے موجود کپڑوں سے اوڑھنیاں تیار کیں اور حکمِ الٰہی پر عمل کیا۔ نہ یہ کہا کہ کپڑے کم ہیں، نہ یہ کہ حالات سازگار نہیں۔

آج ہمارے پاس وسائل کی فراوانی ہے، مگر عزم و اتباع کی کمی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سنت کی عظمت کو دل میں جگہ دیں اور اسے بوجھ نہیں بلکہ عزت و سعادت سمجھیں۔ سنتِ نبوی سے وابستگی ہی اصل کامیابی ہے۔ جو قوم سنت کو چھوڑ دیتی ہے، وہ اپنی شناخت کھو دیتی ہے؛ اور جو سنت کو تھام لیتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کی عزت عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمایا:

﴿فَإِنْ ءَامَنُواْ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَواْ﴾

اگر وہ ویسا ایمان لے آئیں جیسا تم لائے ہو تو ہدایت پا جائیں گے۔[البقرۃ:۱۳۷]

پس صحابہ کرام کا ایمان اور ان کی سنت سے وابستگی ہمارے لیے معیار ہے۔ہمیں اپنے مقام کا تعین اسی آئینے میں کرنا ہوگا۔

سنتِ نبوی ﷺ محض ماضی کی ایک یادگار روایت نہیں، بلکہ ہر دور کے انسان کے لیے ایک دائمی پیغام، زندہ ضابطۂ حیات اور امت کی اصلاح و بیداری کا روشن مینار ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک، عدل وشفقت، محبت و احسان کا ایسا بے مثال نمونہ پیش فرمایا جس نے ایک صالح معاشرہ تشکیل دیا، اور ایسے مرد و خواتین تیار کیے جنہوں نے امانتِ دین کو اٹھایا اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

نبی کریم ﷺ لوگوں کے قریب رہتے، ان کے حالات سے پوری طرح باخبر ہوتے، ان کی بات توجہ سے سنتے اور نہایت دل نشین انداز میں رہنمائی فرماتے۔ آپ ﷺ کی گفتگو میں حکمت کی گہرائی، نصیحت میں شفقت کی مٹھاس اور عمل میں سراسر رحمت جلوہ گر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے دلوں کو نرمی سے مسخر کیا، نفوس کو اخلاص سے سنوارا، اور ایسی تربیت فرمائی کہ سخت سے سخت دل بھی ایمان، خشوع اور اخلاقِ حسنہ سے منور ہو گئے۔

سنتِ نبوی ﷺ انسان سازی کا ایک زندہ، ہمہ گیر اور آفاقی منہج ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر طبقے نوجوانوں، بزرگوں، سرداروں اور عام افراد کے احوال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی تربیت فرمائی۔ آپ ﷺ نوجوانوں سے خاص شفقت، اعتماد اور رہنمائی کا برتاؤ کرتے تھے؛ انہیں امت کی امید سمجھتے، ان کی صلاحیتوں کو نکھارتے اور عملی ذمہ داریاں سونپتے تھے، جیسا کہ حضرت علی، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت معاذ بن جبل کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ قبائلی سرداروں، بادشاہوں اور بااثر شخصیات سے حکمت، وقار اور بصیرت کے ساتھ گفتگو فرماتے، تاکہ اسلام کا پیغام مؤثر انداز میں پہنچ سکے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے اس تربیتی اسلوب کو یوں بیان فرمایا:

﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱]

یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی نرمی، حالات کی رعایت اور افراد کی نفسیات کو سمجھنے کا انداز قرآن کی اس آیت کا عملی نمونہ تھا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ﴾ [آل عمران:۱۵۹]

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا".

(مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سنت محض عبادات تک محدود نہیں بلکہ کردار سازی، سماجی ہم آہنگی اور انسان کی ہمہ جہت تربیت کا مکمل نظام ہے۔ آج کے دور میں اگر ہم نوجوانوں کی رہنمائی اور قیادت کی اصلاح چاہتے ہیں تو سنتِ نبوی ﷺ ہی ہمارے لیے کامل نمونہ اور روشن راہ ہے۔

اس عظیم تربیتی منہج کی بنیاد عقیدے کی پختگی پر رکھی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے دلوں میں توحید کو راسخ فرمایا ایسا یقین جو جڑ کی طرح انسان کے پورے وجود میں پیوست

ہوجاتا ہے۔ جب یہ بنیاد مضبوط ہوتی ہے تو ایمان پروان چڑھتا ہے، اور ایمان کے ثمرات عملِ صالح اور اخلاقِ عالیہ کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا خطاب محض رسمی نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ دل کی گہرائیوں کو چھوتا، ضمیر کو بیدار کرتا اور انسان کو اندر سے بدل دیتا تھا۔ یہی کیفیت بندے کے باطن کو پاک کرتی اور اس کے ظاہر کو سنوارتی ہے۔ احسان کی بنیاد پر تیار ہونے والا انسان سچائی، امانت اور خیر خواہی کا پیکر بن جاتا ہے، ظلم اور بددیانتی سے دُور رہتا ہے اور معاشرے میں امن و اعتماد کی فضا قائم کرتا ہے۔ اسی لیے احسان اسلامی تربیت کا مرکزی ستون ہے، جس پر فرد کی اصلاح اور قوم کی فلاح استوار ہوتی ہے۔

سنتِ نبوی میں عوام کو تعلیم دینے اور انہیں سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مختلف اسالیب اختیار فرمائے۔ آیئے ان میں سے چند نمایاں اسالیب کا جائزہ لیتے ہیں۔

مثالوں کے ذریعے تعلیم:

سنتِ نبوی ﷺ میں عوام کی اصلاح کے لیے اختیار کیے گئے مؤثر اسالیب میں مکالمہ، سوال و جواب، مثالوں کا استعمال اور مثبت پہلوؤں پر توجہ نمایاں ہیں۔ فہم کو قریب لانے کے لیے مثال ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے، اور یہی وہ اسلوب ہے جسے نبی کریم ﷺ نے عام لوگوں کے ساتھ خصوصیت سے اختیار فرمایا۔

آپ ﷺ مشکل اور دور کے مفہوم کو بلیغ اور سادہ مثال کے ذریعے قریب کر دیتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”من أشد أمتي لي حبًا، ناس يكونون بعدي، يود أحدهم لو رآني بأهله وماله“. [مسلم:2832]

”میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے، مگر مجھ سے ان کی محبت اس قدر گہری ہوگی کہ ان میں سے کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش وہ مجھے دیکھنے کے لیے اپنے اہل و مال تک قربان کر دے۔“

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَثَلُ المؤمن كمثل شجرة خضراء، لا يسقط ورقها ولا يتحاتُّ“. [البخاری:5771]

پھر آپ ﷺ نے واضح فرمایا:

هي النخلة

نبی کریم ﷺ نے مومن کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی جو ہمیشہ سرسبز رہتا ہے، سایہ دیتا ہے، میٹھا پھل دیتا ہے، اور جس کا ہر حصہ فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسی طرح مومن بھی سراپا خیر ہوتا ہے، اس کی نیکی میں دوام، اس کے اخلاق میں حسن اور اس کی سخاوت میں وسعت ہوتی ہے۔

قصہ گوئی اور عملی تربیت:

رسول اللہ ﷺ جب واقعات بیان فرماتے تو وہ سامعین کے دلوں کو مسخر کر لیتے۔ اصحابِ غار کا قصہ ہو یا اس مومن لڑکے کا واقعہ جس نے ظالم بادشاہ کے سامنے حق کا اعلان کیا سننے والا مجلس سے اس حال میں اٹھتا کہ گویا وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہو۔

عملی تطبیق بھی آپ ﷺ کے نمایاں تربیتی اسالیب میں سے تھی۔ آپ ﷺ جو بات کہتے، سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:۲۱]

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

”لتأخذوا مناسككم؛ فإني لا أدري لعلي لا

أحج بعد حَجتي هذه“.[مسلم:1297]

آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا، غزوۂ خندق میں پتھر اٹھائے، گھریلو کاموں میں اہلِ خانہ کا ہاتھ بٹایا یوں آپ ﷺ کی پوری زندگی عملی تربیت کا روشن نمونہ تھی۔

ترغیب وترہیب کا متوازن اسلوب:

رسول اللہ ﷺ اپنی تعلیم میں امید اور خوف دونوں کو یکجا فرماتے۔ جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے تو دل شوق سے بھر جاتے، اور جہنم سے ڈراتے تو غفلت کے پردے چاک ہو جاتے۔ فرمایا:

”الجنة أقرب إلى أحدكم من شراك نعله، والنار مثل ذلك“.

اور یہ بھی فرمایا:

”اتقوا النار ولو بشق تمرة“.[مسلم:116]

یہ اسلوب دل کو متوازن رکھتا، نفس کو قابو میں رکھتا اور عمل کو راہِ راست پر قائم رکھتا ہے۔

دل جوئی، خدمت اور رحمت:

نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی تکلیف دُور کرنے کو عظیم اخلاق قرار دیا۔ فرمایا:

”من نفَّس عن مسلم كربة...“.[مسلم:2699]

یہی تربیت صحابہ کی عملی زندگی میں نظر آتی ہے ابو بکر کا غلام آزاد کرنا، عثمان کا لشکر تیار کرنا یہ سب نبوی مدرسے کے فیض کا نتیجہ تھا۔

بچوں اور نوجوانوں کی تربیت:

آپ ﷺ بچوں سے محبت کرتے، انہیں قریب رکھتے اور ان کے جذبات کا خیال فرماتے:

”اللهم ارحمهما، فإني أرحمهما“.[بخاری:6003]

اور فرمایا:

”يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ“.

یہی شفقت بچوں کو اعتماد، محبت اور ایمان کے ساتھ جوان کرتی تھی۔

نبی ﷺ کی تربیت وتعلیم جامع، متوازن اور ہر دور کے لیے رہنمائی فراہم کرنے والی ہے۔ یہ محض علم منتقل کرنے کا عمل نہیں، بلکہ دل ودماغ کو بیدار کرنے، کردار سنوارنے اور انسان کو بہتر انسان بنانے کا مکمل نظام ہے۔

سنتِ نبوی ﷺ محض تعلیم کا ایک طریقہ نہیں، بلکہ ایک زندہ اور متحرک تربیتی نظام ہے جس میں حکمت بھی ہے اور حسنِ اسلوب بھی، نرمی بھی ہے اور گہرائی بھی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے انسانوں کی تعلیم وتربیت میں ایسے متنوع اسالیب اختیار فرمائے جو ہر ذہن، ہر فہم اور ہر سطح کے انسان سے ہم کلام ہو سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی بات دل میں اترتی تھی اور کردار میں ڈھل جاتی تھی۔

آج امتِ مسلمہ کو پہلے سے بڑھ کر اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ تربیتِ نبوی ﷺ کو اپنے گھروں، تعلیمی اداروں اور معاشرتی زندگی میں از سرِ نو زندہ کرے، تاکہ ایسی نسل پروان چڑھے جو رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلے اور اسلافِ صالحین کی سچی وارث ثابت ہو۔

اللہ رب العزت ہمیں سنتِ نبوی کی عظمت کو دل سے تسلیم کرنے، اسے اپنی زندگی کا عملی دستور بنانے اور صحابۂ کرام جیسی سچی اطاعت نصیب فرمائے۔

آمین یارب العالمین۔

تاثرات واحساسات

مسلم درسگاہوں میں دینی وعصری تعلیم کا امتزاج

● شیخ نثار احمد محمد مستقیم مدنی (شیخ الجامعہ جامعۃ التوحید، بھیونڈی)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے جو ساری انسانیت کے لیے پیام رحمت ہے اس کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے اور علم کے مطابق ممکنہ وسائل نیز اپنے کردار کے ذریعہ اس گلوبل فیملی کے مانند سمٹی ہوئی دنیا میں ہر قوم اور ہر طبقے کے لوگوں میں خالص تبلیغ اور خالص اسلام کی ترجمانی و دعوت ہر مسلمان کا فریضہ بھی ہے یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں خلافت راشدہ اور اموی دور میں شرعی علوم کی تدوین اور تبلیغ نیز دائرہ اسلام کو وسیع تر کرنے پر زور تھا اور عباسی دور میں شرعی علوم کے ساتھ ساتھ یونانی علوم (علوم عصری) کو عربی میں منتقل کرنے کے لیے خلیفہ مامون رشید نے حکماء یونان کے علمی کارناموں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کے لیے سائنسی اکیڈمی ''بیت الحکمہ'' نامی دار الترجمہ قائم کیا۔

مسلمانوں نے ایک طویل زمانہ تک دونوں علوم کی سرپرستی کی بالآخر 700 عیسوی سے لے کر 1200 عیسوی تک مکمل پانچ صدیوں میں اہل اسلام نے علم کیمیا (Chemistry) علم جغرافیہ(Geo graphy)علم معدنیات (Mineralogy) علم الہندسہ(Geometry) علم الفیزیا(Physies) علم فلکیات (Astronomy) علم طب(Medicien) علم ریاضیات(Mathematies)علم صیدلہ(Pharmacology) علم تاریخ(Historiography)،علم حیوانات (Zoology)، علم نباتات (Botany) جیسے مختلف سائنسی علوم میں جابر بن حیان، الکندی، الخوارزمی، الفرغانی، الرازی، ثابت بن قرۃ، البتانی، حنین بن اسحاق الفارابي، المسعودی، الطبری، ابو القاسم الزہراوی، البیرونی ابن سینا، ابن یونس، ابن الہیثم، عمر خیام، ابولو فابوز جانی، ابن رشد، الزرقالی، الغ بیگ، ابن فرناس وغیرہم نے سینکڑوں انکشافات کیے اور صدیوں تک دنیا کی رہنمائی کی اور موجودہ دور میں اہل مغرب کی تمام ترقیوں کے لیے بنیاد بن کر علم سائنس کو اوج ثریا پر پہنچانے میں غیر معمولی احسان کیا ہے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ایک طرف اہل یورپ کی علمی بددیانتی تعصب، علمی سرقہ اور دوسری طرف مسلسل کئی صدیوں تک مسلم دنیا میں انحطاط و زوال، اپنے آباء و اجداد کے کارناموں سے ناواقفیت و ناآشنائی علاوہ ازیں ملت اسلامیہ کی سیاسی و فکری غلامی بھی ان کی احساس کمتری ومرعوبیت کا اہم سبب رہی ہے مزید برآں دشمنان اسلام کے اپنے عہد کہن کا مجرب منصوبہ اہل اسلام پر نافذ کرنے کی منظم کوشش بھی ہے کہ دین و دنیا کو جدا کر دیا جائے اور مسلم دنیا ترقی کی بجائے تنزلی کے عمیق غار میں جا گرے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اس کے بعد اہل اسلام پر وہ برے دن بھی آئے کہ مکمل طور پر عصری علوم سے کنارہ کش ہوئے اور

اہل مغرب نے انہیں اپنایا اور مکمل طور پر ان کی اجارہ داری قائم ہو گئی اور پھر ان علوم کی بدولت انہوں نے اسلامی ملکوں کو کالونیوں میں تبدیل کیا اور اپنا منحوس استعماری پنجہ جماتے ہی تعلیمی نظام کو دین و دنیا کے دو خانوں میں بانٹ دیا نتیجتاً دنیا داروں نے اہل دنیا کی نگاہوں میں مذہبی طبقے کو دنیاوی اعتبار سے اپاہج ولاچار بنایا، ہر طرح کی بزنس کا دروازہ ان کے لیے بند کیا، انہیں اپنے در کا بھکاری بنا کر ان کے دین وایمان کا سودا کیا اور حالت یہ ہو گئی کہ عصری تقاضوں سے عدم واقفیت کی وجہ سے صحیح معنوں میں وہ ملت کی رہبری سے قاصر ہو گئے اور اس کے ساتھ ایک المیہ یہ بھی پیش آیا کہ برصغیر ہند و پاک میں ایک مذہبی طبقہ کی اکثریت نے انگریز دشمنی میں 1857ء کے بعد عصری علوم کے حصول کو کفریہ عمل اور انگریزوں سے ہم نوائی تصور کر کے ایک طرف دارالعلوم دیوبند کی تحریک جبکہ اسی طبقہ کے ایک دوسرے دھڑے نے عصری علوم کو ہی بنیاد بناتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تحریک شروع کی نتیجتا دو متوازی پلیٹ فارم بن گئے۔

صحابی رسول زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ کی "سریانی" زبان جو یہودیوں کی زبان تھی وہ سیکھنے کا حکم دیا تھا تاکہ یہودیوں کے مصادر میں ان کی حقیقت کا پردہ فاش ہو سکے بالآخر صحابی رسول اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے محض 15 دن میں سریانی زبان کو لکھنے اور پڑھنے میں ماہر ہو گئے تھے۔[سنن ترمذی 2715 وصححہ الألبانی]

لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ ذہنوں میں کشادگی اور عصری علوم کی افادیت کا احساس زندہ ہوا اور دونوں مکتب فکر کا کسی حد تک ایک مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا پہلا ادارہ صوبہ بہار میں 1880ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ اور دوسرا 1892ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کی بنیاد پڑی جہاں انگریزی کی تعلیم ہوتی تھی (مجموعہ مقالات علامہ عبدالحمید رحمانی 2/283،265) اور پھر آزادی کے بعد سے لے کر اب تک اس موضوع پر بحث جاری ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں عصری علوم کی شمولیت کی جانی چاہیے یا نہیں؟ اور اگر کریں تو اس کی حد اور نوعیت کیا ہو؟ ان سوالوں کے جواب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ کسی بھی تعلیم کا مقصد صرف طلب دنیا ہی نہیں بلکہ اس کا مقصد معاشرہ کے لیے صالح افراد تیار کرنا ہے جو خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہوں اور جب انس وجن کا مقصد تخلیق عبادت ہی ہے تو عصری کالجوں اور یونیورسٹیوں کے خواہ ڈاکٹرز ہوں یا انجینئرس سائنسداں ہوں یا قانون دان، پروفیسرس ہوں یا اسکالرس، بزنس مین ہوں یا مینجمنٹ ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھنے والے یا کسی صنعت وحرفت، تجارت و سیاست اور وکالت وغیرہ دنیاوی امور کے مختلف میدانوں کے ماہرین، اس کے علاوہ مدارس کے فضلاء خواہ علماء ہوں یا دعاۃ وواعظین ، یا ائمہ وموذنین یا شریعت کے مختلف فنون میں ڈاکٹرس، و پروفیسرس حضرات سبھی کو نیک نیتی کے ساتھ اپنے اپنے اختصاص کی روشنی میں دین پر عمل کرنا ہے قوم وملت کی خدمت اور معاشرہ کے دکھ درد میں شریک ہو کر دینی و دنیاوی طور پر مدد کرنا ہے علاوہ ازیں اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر طرح کے فتنوں اور چیلنجوں نیز آفات ومصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے لہٰذا ایک مسلمان کا کسی ایک میدان کو اختیار کر کے دوسرے سے منہ موڑنا اس کی دنیا یا پھر اس کی آخرت

کے لیے انتہائی خطرناک ہے لیکن دونوں طرف توجہ دینے کی صورت میں ہر ایک کی کچھ مشترک اور کچھ انفرادی مجبوریاں و پریشانیاں بھی ہیں مثلا دوسرے اختصاص کے مضامین کی شمولیت سے اصل مضامین کا حق ادانہیں ہوتا اور کورس کے بوجھل ہونے سے طالب علم ترک تعلیم پر مجبور ہو جاتا ہے یا پھر نمایاں کامیابی و مہارت سے ہمکنار نہیں ہو پاتا اس کے علاوہ تعلیم کے ذریعہ اس کے وابستگان کی تہذیب منتقل ہوتی ہے اور مارکیٹ میں اسی علم کی اہمیت یا عدم اہمیت سے اس کے اختیار کرنے والے بھی اہم یا بے وقعت ہوتے ہیں اس لیے اس کے ذریعہ مادہ پرستی اور دنیا طلبی کا خوف بھی مذہبی لوگوں کو عصری علوم کے حصول سے روکتا ہے لیکن عصری علوم کے طلبگار اگر دینی علوم سے ناواقف رہیں ان کے یہاں الحاد و دہریت، دین بیزاری اور زمانے کے فتنوں کا بہت سرعت کے ساتھ شکار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور دوسری طرف طلبۂ مدارس کی عصری علوم سے عدم واقفیت کے نتیجے میں اسلام کے پیغام کو تمام انسانیت میں عام کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور عالمی تجارتی منڈیوں، ٹرانسپورٹ اور دیگر مقامات و اسباب دنیا میں دنیاوی علوم سے ناواقفیت کے نتیجے میں رہنمائے قوم وملت رہبری کے تقاضوں پر پورا اترنے اور نہ ہی دنیاوی ترقی میں شامل ہونے کے اہل قرار پاتے ہیں۔

فارغین مدارس اسلامیہ کا اکثریتی طبقہ اردوداں ہے جبکہ پڑھے لکھے عوام اور غیر مسلموں کی عام زبان انگریزی ہے ایسے میں ان کے مابین عام طور پر فضلائے مدارس اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی سے قاصر رہتے ہیں ان کے فتنوں کا تدارک اور جواب کے لیے بردرس اور سسٹرس جیسے اسپیکرس اپنے ذاتی مطالعہ کے ذریعہ میدان میں اتر کر دعوت کے میدان میں موجود خلا کو پر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے نہ تو صحیح نمائندگی ہوتی ہے نیز فائدے سے زیادہ نقصان اور علماء کی ناقدری و بے اعتمادی کی راہ ہموار ہوتی ہے جو انتہائی خطرناک صورتحال ہے یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کے تقاضوں پر نظر رکھنے والے انتہائی حیران وششدر ہیں۔ اسلامی مکاتب جاکنی کے عالم میں ہیں۔ مدارس اسلامیہ کا قصد کرنے والے کمیاب ہیں اور انگلش میڈیم اور کچھ انگلش وعربی میڈیم کے نام پر قائم کمرشیل اداروں میں جانے کی نہ سب میں استطاعت ہے اور نہ وہ دنیاوی اور روحانی غذا فراہم کرنے میں کامیاب ہیں اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ انگریزی زبان میں اسلامیات کے کورس تیار کر کے مبتدی طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے نتیجتاً طلبہ زبان کے مسائل میں الجھ کر اسلامی معلومات سے کماحقہ فیضیاب نہیں ہو پاتے اور تکلیف اس وقت زیادہ ہوتی ہے جب اسلامیات کے لیے ایسے مدرس کا انتخاب کیا جاتا ہے جو زبان کے اعتبار سے تو ٹھیک ہوتا ہے لیکن دور طالب علمی میں اسلامی موضوعات ان کے مطالعہ کا حصہ نہیں تھے بالآخر دین کا صحیح رجحان اور تربیت کا عدم انتظام بہتوں کو ترک تعلیم پر مجبور کرتا ہے اور جو حالات کا مقابلہ کرنے والے تعلیم مکمل کر لیتے ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے کامیاب تو ہو جاتے ہیں لیکن وہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کلنک ثابت ہوتے ہیں۔

اور جو مدارس اپنے نصاب تعلیم میں عصری علوم کی شمولیت یا عدم شمولیت کا رجحان رکھتے ہیں وہ فی زمانہ تین طرح کے ہیں کچھ تو آج بھی مکمل طور پر عصری علوم سے اپنے نصاب کو پاک رکھتے ہیں جبکہ کچھ نے عصری مضامین کی اس قدر زیادتی کر دی کہ وہاں

کے نصاب کا بوجھل پن بمشکل ہی مذہبی اعتبار سے ٹھوس اور مضبوط صلاحیت کے مالک طلبہ کو پیدا کرنے کرنے پر قادر بناتا ہے ایسے میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اسلام کے منہج وسط کے مطابق درمیانی راہ کی تلاش سے پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ وہ کون کون سے مضامین ہیں جو دونوں اختصاص کو بحیثیت مسلمان اور داعی دین زمانہ کے تقاضے کے مطابق ضروری ہیں تا کہ ہر فریق بآسانی اپنے اپنے میدان میں کامیابی کے ساتھ منزل کی جانب رواں دواں ہو سکے اور دین و دنیا کی سعادت حاصل کرسکے۔آیئے ذیل میں مدارس اسلامیہ اور عصری درسگاہوں میں دینی وعصری تعلیم کے امتزاج سے متعلق چند آراء وتجاویز حوالہ قرطاس کردی جائیں ممکن ہے کہ ارباب دانش وبینش کے لیے اس میں کچھ مفید اور حوصلہ افزا پیغام ہو:

(1) وہ عصری مضامین جن کی طلبہ مدارس کو ضرورت ہوتی ہے، بنیادی طور پر وہ انگریزی و ہندی زبان، سائنس، حساب، جغرافیہ، معاشیات ہیں اور علاقے کے حساب سے زبانوں میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے اس کے علاوہ مختصراً ادیان ومذاہب، اسلامی فرقوں اور گمراہ کن فکری مذاہب سے آگاہ کرایا جائے۔

(2) عربی وشرعی مضامین جن کی عصری علوم کے طلبہ کو ضرورت ہوتی ہے وہ ادعیہ واذکار اور قران کریم کے ناظرہ کے علاوہ عربی زبان کی اتنی تدریس ہو جس سے بنیادی استعداد ہوجائے اور کسی حد تک فہم قرآن اور حدیث کا ادراک پیدا ہو اس کے علاوہ ارکان ایمان، ارکان اسلام یعنی توحید اور رسالت صوم وصلوۃ اور زکوۃ وحج، اسلامی حقوق وآداب، شرعی معاملات اور لین دین کے شرعی ضوابط کا اس قدر تفصیلی نصاب تیار کیا جائے جس سے ان کے لیے دین پر چلنے اور زمانے کے فتنوں اور دشمنوں کی چالوں کو سمجھنے نیز شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنے کا انتظام ہو سکے اس کے علاوہ سیرت نبی، صحابہ، ائمہ، علماء اور تاریخ اسلام کو بھی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

(3) 6 سال کی عمر سے لے کر 18 سال کی عمر درحقیقت ایک انسان کی زندگی میں ذہنی وجسمانی نشونما کے لیے بے انتہا اہمیت کی حامل ہے لہٰذا مذکورہ مضامین بتدریج نافذ العمل بنائے جائیں جس میں نرسری سے بارہویں کی تعلیم یعنی ہائی اسکول وانٹرمیڈیٹ اور عالمیت وفضیلت کی تکمیل ہو جائے جس کا طریقہ یہ ہو کہ مڈل تک یعنی آٹھویں کلاس تک اپنے علاوہ مضامین کو 30 سے 40 فیصد رکھیں اور اس کے بعد 15 سے 20 فیصد ہر عمر کا لحاظ کرتے ہوئے مضامین کو داخل نصاب بنایا جائے۔

(4) ایک پرائیویٹ تعلیمی بورڈ ہو (وفاق المدارس) جس میں نصاب کی تیاری اور مناہج تعلیم کے تئیں غور وفکر اور ان کی تنفیذ کا عمل زبان ومکان کے اعتبار سے جاری رہے۔

(5) مسلمانوں کو چاہیے کہ ملک کے طول وعرض میں متعدد اسکول قائم کریں اور ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ تک کے اسکولوں کو حکومتی سطح پر منظور کرائیں اور مسلم قوم کو چاہیے کہ اسی طرح کے اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کریں جن میں اسلامی کلچر ہو، اسلامی چھٹیوں کا اعتبار ہو، اور صلاۃ جمعہ اور اسلامی آداب کا مکمل پاس ولحاظ رکھنے کا پورا اہتمام ہو تا کہ اسلامی انداز میں ان کی تربیت اور ذہن سازی ہو سکے۔

(6) مدارس میں این آئی او ایس کے ذریعہ دسویں کے امتحانات کا نظم ہونا چاہیے اس کے لیے چاہے کوچنگ کرائی جائے ویسے اس میں ہندی، انگریزی کے علاوہ اردو میڈیم بھی ہے اور اس کا نصاب اتنا مشکل نہیں جو طلبہ مدارس کے لیے پریشان کن ہو اور اس اعتبار سے حکومت ہند کے اعداد و شمار میں طلبہ مدارس تعلیم یافتہ ہوں گے نیز اس راستے سے انہیں سرکاری یا نیم سرکاری محکموں میں جگہ ملے گی جہاں سے وہ دعوت دین کے علاوہ اسلام اور اہل اسلام کا بآسانی دفاع کر سکتے ہیں اور اندرون خانہ احوال و کوائف سے واقفیت کی بنیاد پر مسلم قوم کے لیے مفید و کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

(7) عصری اسکولوں میں 15 روزہ یا ماہانہ منصوبہ بند انداز میں دینی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کے ذہن دینی بن سکیں نیز ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔

(8) طلبہ مدارس کے لئے فراغت کے بعد چھ ماہ یا سال بھر کے لیے صنعت و حرفت یا ٹیکنیکل کورسز کا انتظام ہو اور علی الاقل فضیلت کے طلبہ کے لیے کمپیوٹر ڈپلومہ کا انتظام ہونا چاہیے۔

(9) مدارس و جامعات کے پیمانے پر ہر سال ایسے مسابقات کا انعقاد ہونا چاہیے جن کے توسط سے اپنے تخصصات کے علاوہ علوم سے طلباء کی آگاہی ہو سکے نیز یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ کے لیے ان کی تعطیلات کی مناسبت سے سردی و گرمی میں اضافی کلاسوں کا اہتمام ہونا چاہیے تاکہ تعطیل کو کارآمد بنا کر ان کی علمی استعداد میں اضافہ کیا جا سکے۔

(10) ذمہ داران مدارس و جامعات کو چاہیے کہ اپنے تخصصات کے علاوہ مضامین سے متعلق یونیورسٹیوں کے ماہر اساتذہ سے رابطہ کر کے سال میں منصوبہ بندی کے تحت لیکچرز کا اہتمام کریں تاکہ طلبہ مدارس کا علمی افق وسیع سے وسیع تر نیز ان کے تجربات سے مستفید ہوتے ہوتے علمی ماحول میں ان کے یہاں مزید قوت و نشاط پیدا ہو سکے۔

(11) بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے قریب جہاں ہاسٹل کی تنگی کے سبب طلبہ کرائے پر رہنے پر مجبور ہوتے ہیں، اصحاب ثروت کو چاہیے کہ مساجد کی تعمیر کریں اور ان سے متصل عصری جامعات میں زیر تعلیم طلباء کے لیے رہائشی کمروں کو بھی تعمیر کریں تاکہ طلباء رمزی کرایہ کی ادائیگی کرتے ہوئے وہاں سکونت پذیر ہوں اور اہل علم اپنے دروس اور محاضرات کے ذریعہ ان کی دینی تربیت کر سکیں۔

(12) حفظ قرآن کے مدارس میں زیر تعلیم بہت سارے طلبہ حفظ مکمل کرنے کے بعد آگے تعلیم جاری نہ رکھ کر میدان عمل میں اتر جاتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی بھول ہے انہیں کم از کم عالمیت تک تعلیم حاصل کرنا چاہیے تاکہ قرآن فہمی کی استعداد ان میں پیدا ہو سکے لیکن پھر بھی مدارس میں حفظ کے ساتھ ساتھ انہیں مختصر ادینی و عصری تعلیم بھی دلانی چاہیے تاکہ آئندہ کی زندگی میں ان کے لیے آسانی پیدا ہو سکے۔

یہ اور اس کے علاوہ اور بھی تجاویز ہو سکتی ہیں اختصار کے پیش نظر انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے اخیر میں اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ الہ العالمین تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم کے تحت اہل دانش و بینش کو اپنی توفیق اور نصرت و تائید سے ہم کنار فرمائے آمین۔

تحقیقات وتصریحات

بھینس کی قربانی کے جواز پر علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ کی تصریحات

● شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی (داعی وباحث صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)

آج سے کم وبیش دس سال پیشتر ملک کی دیگر ریاستوں کی طرح مہاراشٹرا میں بھی گائے اور اس کی نسل کے ذبیحہ پر جب پابندی عائد کی گئی تھی تو عوام الناس کے ایک بڑے طبقے کی جانب سے عید قرباں کی آمد سے پیشتر بھینس کی قربانی کے جواز وعدم جواز سے متعلق کافی سوالات واستفسارات ہونے لگے تھے، کہ شریعت میں بھینس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

الحمدللہ جب اس مسئلہ کا علمی وتحقیقی تفصیلی جائزہ لیا گیا تو اس سلسلہ میں سلف تا خلف امت کے علماء لغت، تفسیر، حدیث، فقہ اور اجتہاد و فتویٰ کی سو سے زائد مستند تصریحات کی روشنی میں بھینس کی قربانی کا جواز ثابت ہوا ساتھ ہی عوامی وعلمی حلقوں میں مسئلہ کی بابت گردش کرنے والے اشکالات وشبہات بھی رفع ہو گئے نیز مسئلہ کی بابت رجحانات اور تعصبات سے بالاتر ہو کر سنجیدگی کے ساتھ تفصیلات پڑھنے والے حضرات جواز کے موقف سے مطمئن ہو گئے، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ البتہ بعض احباب نے شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ کے مرعاۃ المفاتیح میں "احتیاط" کے موقف کے سبب اس کے جواز کی بابت بدستور تامل باقی رکھا۔ جبکہ شیخ الحدیث علامہ رحمانی رحمہ اللہ نے "الفتاوی الرحمانیہ" میں ایک سے زائد جگہوں پر بھینس کی قربانی کے جواز کی بلکہ مطلق جواز کی تائید وتاکید کی صراحت فرمائی ہے ذیل میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی چند تصریحات ملاحظہ فرما کر مسئلہ کی بابت اطمینان کریں۔

الف: ذاتی احتیاط اور قربانی کرنے والوں پر عدم ملامت کا فتویٰ:

شیخ الحدیث عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ احتیاطاً اونٹ، گائے اور بکری کی قربانی پر اکتفا کرنے کی ترغیب کے ساتھ بھینس کی قربانی کے جواز اور قربانی کرنے والوں پر عدم ملامت کی صراحت کرتے ہوئے "مرعاۃ المفاتیح"، میں لکھتے ہیں:

"والأحوط عندي أن يقتصر الرجل في الأضحية على ما ثبت بالسنة الصحيحة عملاً وقولاً وتقريراً، ولا يلتفت إلى ما لم ينقل عن النبي ﷺ ولا الصحابة والتابعين رضي الله عنهم، ومن اطمأن قلبه بما ذكره القائلون باستنان التضحية بالجاموس ذهب مذهبهم ولا لوم عليه في ذلك، هذا ما عندي، والله أعلم" [مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، 5/82]

میرے نزدیک زیادہ قابل احتیاط بات یہ ہے کہ آدمی قربانی میں انہی جانوروں پر اکتفا کرے جو قولی، عملی اور تقریری طور پر صحیح سنت سے ثابت ہیں، ان چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے، البتہ جس کا دل بھینس کی قربانی کے جواز کے قائلین کے ذکر کردہ دلائل سے مطمئن ہو وہ ان کا موقف اپنا لے، اور اس بارے میں اس پر کوئی

ملامت نہیں، یہی میری رائے ہے، واللہ اعلم۔

ب: بھینس کی قربانی بلاتردد جائز ہے!

شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں بھینس کی قربانی کو ''بلاتردد جائز اور درست'' قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: بھینس کی قربانی سے متعلق عرصہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ کچھ عالم کہتے ہیں کہ جائز ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ ناجائز ہے؟

جواب: بھینس کی قربانی بلاتردد جائز اور درست ہے ''بھیمۃ الأنعام'' میں بھینس بھی بلاشبہ داخل ہے۔ اور ''أنعام'' کا لفظ بھینس کو بھی شامل ہے، جس طرح اِبل (اونٹ) گائے بیل اور معز (بکری بکرا) اور ضان (مینڈھا دنبا) کو شامل ہے۔

پس اونٹ، گائے، بھیڑ، بکرا، دنبہ کی طرح بھینس کو بھی ہدی بنانا اور اس کی قربانی کرنا جائز ہے، بلکہ خود ''بقر'' کا لفظ بھی ''جاموس'' کو شامل ہے، چنانچہ بعض اہل لغت لکھتے ہیں ''الجاموس نوع من البقرۃ'' نیز زکاۃ کے معاملہ میں جو حکم گائے بیل کا ہے وہی جاموس (بھینس) کا بھی ہے۔ اسی واسطے تمام فقہاء لکھتے ہیں ''الجاموس کالبقرۃ''۔

عرب کی آب وہوا بھینس کے حق میں ناموافق ہے اس لئے وہاں بھینس نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھینس کی قربانی ثابت اور منقول نہیں ہے۔

لیکن بھینس کی قربانی جائز ہونے کے باوجود اولیٰ وافضل اونٹ گائے (بشرطیکہ موجودہ قانونی رکاوٹ نہ ہو) یا بھیڑ بکرے دنبہ کی قربانی ہے۔ کیونکہ ان جانوروں کی قربانی کرنی آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صراحۃً عملاً منقول وثابت ہے۔ اور ان کی قربانی کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ هذا ما ظهر لی والله أعلم۔

أملاہ: عبید اللہ المبارکفوری (۲۴/۷/۸۷ ۱۳ھ-۱۷/۸/۱۹۹۸ء)

(دیکھئے: فتاویٰ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ عبداللطیف اثری، 2/74-73، مکتبہ الفہیم، مئوناتھ بھنجن، یوپی، 2018ء)

ج: بھینس کی قربانی بلاشک وشبہہ جائز اور مباح ہے!

شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں بھینس کی قربانی کو ''بلاشک وشبہہ جائز اور مباح'' قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: بھینس کی قربانی میں کچھ اختلاف یا شک تو نہیں ہے۔ دوسرے فضیلت میں اور ثواب میں بکری کے مقابلہ میں کمی تو نہیں ہے؟

جواب: بھینس کی قربانی بلاشک وشبہہ جائز اور مباح ہے اور اس کی قربانی کرنے والے کو قربانی کا ثواب بھی ملے گا۔ قرآن کریم میں حج کے بیان میں ''بھیمۃ الأنعام'' کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کا اور اس کا گوشت کھانے کھلانے کا ذکر آیا ہے۔ اور بھیمۃ الأنعام سے مراد وہ تمام حلال چوپائے ہیں جو اہلی ہیں، یعنی جنہیں انسان ان کا گوشت یا دودھ کھانے کے لئے پالتے پوستے ہیں۔ جن میں اونٹ، گائے، بھینس، بکرا، بھیڑ، دنبہ سبھی داخل ہیں، جنگلی جانور جیسے ہرن، گورخر، نیل گائے بھیمۃ الأنعام مذکور سے بالاتفاق خارج ہیں۔

بعض فقہاء کے نزدیک ''البُدن'' میں بقر بھی داخل ہے اور بھینس بقر کی ایک صنف ہے یا نوع ہے، جیسا کہ اہل لغت نے لکھا ہے، اس بنا پر بھی بھیس کی قربانی کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ اونٹ یا گائے یا بکرا یا بھیڑ یا دنبہ میسر ہوتے ہوئے بھینس کی قربانی کرنا اولیٰ وافضل کے خلاف ہوگا۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں عرب ممالک میں بھینس نہیں ہوتی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے بھینس کی قربانی کرنا منقول نہیں ہے جیسا کہ ان سے بھینس کی زکاۃ کا حکم بھی

منقول نہیں ہے۔لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بھینس کی قربانی ناجائز ہے یا اس کی زکاۃ نہ نکالی جائے۔ بہر حال بھینس کی قربانی کرنا بلاشبہہ جائز ہے...۔ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالی۔

أملاہ عبید اللہ المبارکفوری (۱۷/رجب ۱۳۹۹ھ)۔

(دیکھئے: فتاویٰ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ عبد اللطیف اثری، 2/ 84-85، مکتبۃ التفہیم، مئو ناتھ بھنجن، یوپی، 2018ء)

د: بھینس کی قربانی جائز ہے، رائیگاں نہیں، ان شاء اللہ عند اللہ مقبول ہے!

شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں قربانی کے دیگر جانوروں کے میسر ہوتے ہوئے بھینس کی قربانی کو "جائز، رائیگاں نہیں اور عند اللہ مقبول" قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: ہمارے یہاں ... ایک مولانا صاحب مدینہ یونیورسٹی سے پڑھ کر آئے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ بھینس کی قربانی درست نہیں ہے۔جن لوگوں کو بکرا اور گائے میسر نہ ہوں وہ لوگ بازار سے گوشت خرید کر کھالیں لیکن بھینس کی قربانی نہ کریں۔تو اس کے متعلق وضاحت فرمائیں کہ ہم کیا کریں؟

جواب: بعض علماء اہل حدیث بھینس کی قربانی کے قائل نہیں ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ اس کی قربانی درست نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ سے اور صحابۂ کرام وتابعین سے ثابت ومنقول نہیں ہے اور اس لئے کہ بھینس گائے سے ایک الگ قسم ہے اور دونوں کے درمیان ظاہری و باطنی بھی بہت فرق واختلاف ہے۔

اور حنفیہ اور اکثر علماء اہل حدیث بھینس کی قربانی کو جائز اور درست کہتے ہیں کیونکہ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ جاموس (بھینس) بقرۃ کی ایک نوع ہے جیسے گائے بقرہ کی ایک نوع ہے، اور بقرہ کی قربانی بالاتفاق درست ہے تو اس کی ایک نوع (گائے) کی طرح دوسری نوع (جاموس) بھینس کی قربانی بھی درست ہوگی۔

اور اس لئے بھی بھینس کی قربانی درست ہونی چاہئے کہ زکاۃ کے معاملہ میں بھینس گائے کی طرح ہے اور اسی کے حکم میں ہے۔پس قربانی کے معاملہ میں بھی دونوں کا ایک ہی حکم ہونا چاہئے۔

ہمارے نزدیک بہتر اور احوط یہ ہے کہ جس کو اونٹ یا گائے یا بھیڑ یا بکرا یا دنبہ میسر ہو وہ اس کی قربانی پر اکتفا کرے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ وتابعین سے نصاً وصراحۃً منقول ومروی ہے، لیکن ان منصوص جانوروں میں سے کسی ایک کے میسر ہوتے ہوئے کوئی بھینس کی قربانی کرلے تو اس کی یہ قربانی جائز ہوگی اور رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ ان شاء اللہ عند اللہ مقبول ہوگی۔ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالی۔

عبید اللہ رحمانی مبارکپوری (۱۳/۲/۱۴۰۶ھ)۔

(دیکھئے: فتاویٰ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ عبد اللطیف اثری، 2/ 137-138، مکتبۃ التفہیم، مئو ناتھ بھنجن، یوپی، 2018ء)

ھ: گاؤمیش (بھینس) کی قربانی جائز ہے!

شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں گاؤمیش (بھینس) کی قربانی جائز قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: عید الاضحی کے موقعہ پر ایک گاؤمیش (یعنی بھینس) جس کے دونوں سینگ کا اوپر کا حصہ یعنی: جو اوپر کا حصہ باریک ہوتا ہے کاٹا ہوا تھا۔یعنی: موٹا حصہ باقی رہ گیا جو دور سے دیکھنے والے کو یہ نظر آتا تھا کہ اس بھینس کے دونوں سینگ کٹے ہوئے ہیں، کاٹی ہوئی جگہ کی چوٹیوں پر دو تین انگلی اگر رکھے جاویں تو چوٹیوں کی اتنی فراخی یعنی عرض ہے۔عید قرباں کے روز خطیب

نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جس جانور کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں اس کی قربانی سے منع فرمایا ہے اس لئے یہ گاؤمیش قربانی کے لائق نہیں ہے۔ جنھوں نے گاؤمیش خریدی تھی انہوں نے کہا کہ یہ کٹے ہوئے ہیں ٹوٹے ہوئے نہیں ہیں۔ گاؤمیش کا اصل مالک جس سے گاؤمیش خریدی تھی ان خریداروں کو کہنے لگا کہ یہ گاؤمیش تم مجھے واپس دے دو اور رقم لے لو اور کوئی قربانی کا جانور خریدلو۔

(۱) اس پر ایک مولوی صاحب نے جو کہ سند یافتہ ہیں فرمایا کہ یہ ضرورت کیلئے سینگ کاٹے گئے ہیں یہ قربانی کیلئے جائز ہے۔

(۲) جو ریوڑ والے اپنی پہچان کے لئے تھوڑا سا کان نشانی کرنے کیلئے کہ اس جانور کی پہچان ہوسکے کہ یہ میرے ریوڑ کا ہے کاٹ لیتے ہیں وہ بھی جائز ہے، بنابریں گاؤمیش کی انہوں نے قربانی کرڈالی ہے۔ ملتمس ہوں کہ گاؤمیش قربانی کے لئے جائز تھی یا نہیں؟ جن لوگوں نے قربانی کرڈالی ہے ان کو کوئی سزا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر نشانی کے لئے تھوڑا سا کان چیرا جائے یا کاٹا جائے تو وہ جانور قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب : امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک اس گاؤمیش کی قربانی جائز تھی، اس لئے اس کی قربانی درست ہوگئی کیونکہ اس کی سینگ آدھی سے زیادہ موجود تھی، ان لوگوں کے نزدیک آدھی سے زیادہ کٹی یا ٹوٹی ہو (تو قربانی نہیں ہوگی) اور صورت مسئولہ میں آدھی سے کم کٹی تھی اور آدھی سے زیادہ موجود تھی۔ نیز امام مالک کے نزدیک اس وقت ناجائز ہے جب ٹوٹے سینگ سے خون جاری ہو، ورنہ سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی ان کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔

...پس صورت مسئولہ میں اگر اس بھینس کی اندرونی سینگ بالکل صحیح سالم پوری کی پوری موجود تھی اور صرف خول کا کچھ حصہ کاٹ دیا گیا تھا تو قربانی جائز ہوگی۔

کتبہ: عبیداللہ الرحمانی المبارکفوری۔

(دیکھئے: فتاویٰ شیخ الحدیث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ عبد اللطیف اثری، 2/160-162، مکتبہ الفہیم، مئوناتھ بھنجن، یوپی، 2018ء)

۹: دانتے بھینس کی قربانی جائز ہے!

شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں ”دانتے گائے، بکرے، بھینس، اونٹ“ کی قربانی جائز قرار دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال : بکر جب عیدالاضحی کا وقت قریب ہوتا ہے تو زید سے قربانی کے جانور کے بارے میں اختلاف کرتا ہے، اور زید سے کہتا ہے کہ قربانی کا جانور جب تک دو دانت نہ ہو اس وقت تک اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور بکر کہتا ہے کہ اس کی قید نہیں ہے، بغیر دو دانت کے بھی جائز ہے، اب حق پر کون ہے، بذریعہ قرآن وحدیث ان مسائل بالا کا مفصل جواب دے کر سائل کو مطمئن فرمائیں؟

جواب : یہی قول صحیح ہے کہ قربانی اسی گائے، بکرے، بھینس، اونٹ کی جائز ہے جس کے دودھ کے اگلے دانت گر گئے ہوں اور ان کی جگہ دوسرے دو دانت نکل آئے ہوں، یعنی قربانی ادنت کی جائز نہیں، قربانی کے جانور کا دانتا ہونا ضروری ہے۔

(عبیداللہ رحمانی مبارکپوری / جمعہ، رجب ۱۳۹۴ھ)۔

(دیکھئے: فتاویٰ شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ، ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ عبد اللطیف اثری، 2/50، نیز دیکھئے: 2/46، مکتبہ الفہیم، مئوناتھ بھنجن، یوپی، 2018ء)

فقہ وفتاویٰ

اعتکاف اور اسکا حکم

● دکتور عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (مدیر مجلہ الجماعۃ، ممبئی)

سوال: اعتکاف کسی کہتے ہیں اور اسکا شرعی حکم کیا ہے اور اسکے شرائط کیا ہیں کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

اعتکاف اسلامی شریعت کی ایک عظیم الشان عبادت اور ثابت شدہ سنت ہے جو بندے کو دنیاوی مشاغل اور مصروفیات سے کاٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ کرتی ہے۔ کتاب وسنت اور تعاملِ سلف سے اس کی مشروعیت قطعی طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُبَٰشِرُوهُنَّ وَأَنتُمۡ عَٰكِفُونَ فِي ٱلۡمَسَٰجِدِۗ﴾ [البقرۃ:۱۸۷]۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اعتکاف مسجد کے ساتھ خاص عبادت ہے اور حالتِ اعتکاف میں بیوی سے مباشرت حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ سے اعتکاف کا اہتمام تواترِ عملی کے ساتھ ثابت ہے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”**كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ**“. [بخاری:2026،مسلم:1172]

اس بنا پر محدثین اور جمہور اہلِ علم کے نزدیک رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، البتہ اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مان لی ہو تو وہ اس پر واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیثِ عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہے کہ انہوں نے ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تو نبی ﷺ نے اسے پورا کرنے کا حکم دیا۔ [بخاری: 2042]

اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہر جائے۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”**هو لزوم مسجد لطاعة الله**“ اللہ کی اطاعت کے لیے مسجد کو لازم پکڑ لینا [المجموع 6/475] اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**الاعتكاف حبس النفس في المسجد على طاعة الله**" مسجد میں اللہ کی اطاعت کی نیت سے اپنے آپ کو روک لینا اعتکاف کہلاتا ہے۔ [مجموع الفتاویٰ 25/264] اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے تین بنیادی ارکان ہیں: مسجد میں قیام، عبادت کی نیت، اور اللہ کی اطاعت میں مشغول ہونا۔

اہلِ علم کے نزدیک اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے چند شرائط ضروری ہیں۔

پہلی شرط اسلام اور عقل ہے، کیونکہ عبادت کا تعلق مکلف سے ہے۔

دوسری شرط نیت ہے۔

کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”**إِنَّمَا الأَعْمَالُ**

بِالنِّيَّاتِ"[بخاری:1]۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف عبادت ہے، لہٰذا اس کے لیے نیت کا ہونا ناگزیر ہے۔[الشرح الممتع:6/504]

تیسری اور بنیادی شرط مسجد ہے۔

قرآن کی تصریح "فِي الْمَسَاجِدِ" اس پر واضح دلیل ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **"لا يصح الاعتكاف إلا في المسجد"** کہ مسجد کے علاوہ کسی جگہ پر اعتکاف درست نہیں ہے۔[المجموع 6/476]

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اعتکاف مسجد ہی میں ہوتا ہے۔[المغنی 4/461]

معاصر اہلِ حدیث علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اعتکاف مرد و عورت دونوں کے لیے مسجد کے ساتھ خاص ہے۔[مجموع فتاویٰ ابن باز 15/437]

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی یہی راجح قرار دیا۔[مجموع فتاویٰ 20/264]

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرف جامع مسجد میں اعتکاف درست ہے یا ہر مسجد میں؟ اہلِ علم کے نزدیک ہر وہ مسجد جہاں باجماعت نماز قائم ہوتی ہو، وہاں اعتکاف درست ہے، اگرچہ جامع مسجد نہ ہو۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"كل مسجد تقام فيه الجماعة يصح فيه الاعتكاف"** [الشرح الممتع 6/507]، اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی جامع مسجد کی شرط کو ضروری نہیں کہا (مجموع الفتاویٰ:15/441)۔ البتہ ایسی مسجد اختیار کرنا اہل علم کے نزدیک افضل ہے جہاں جمعہ بھی ادا ہو سکے تاکہ بار بار نکلنے کی ضرورت نہ پڑے۔

روزہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک روزہ شرط ہے، مگر محدثین اور جمہور کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ ان کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں انہوں نے رات کے اعتکاف کی نذر مانی اور نبی ﷺ نے اسے برقرار رکھا، حالانکہ رات میں روزہ نہیں ہوتا [بخاری:2042]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صراحت کی کہ صحیح قول کے مطابق روزہ اعتکاف کی شرط نہیں۔[مجموع الفتاویٰ 25/292]

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح کہا [الشرح الممتع 6/509]۔

تاہم رمضان کے اعتکاف میں چونکہ روزہ بہرحال ہوتا ہے، اس لیے عملی طور پر دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ اعتکاف کی صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔

اعتکاف کے دوران معتکف کے لیے مسجد میں ٹھہرے رہنا ضروری ہے اور بلاضرورت نکلنا اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ انسانی ضرورت کے علاوہ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔[بخاری:2029]۔

ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بلاضرورت نکلنا اعتکاف کو باطل کر دیتا ہے۔[الشرح الممتع 6/521]۔

البتہ قضائے حاجت، وضو، غسلِ جنابت، اور ایسی ناگزیر ضروریات کے لیے نکلنا جائز ہے۔

بیوی سے ہمبستری و ملاپ بالا جماع اعتکاف کو فاسد کر دیتے

ہے، جیسا کہ قرآن میں صراحت ہے اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس پر اہلِ علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ [المغنی 4/489]

اسی طرح عورت کو اگر حیض یا نفاس آجائے تو اس کا اعتکاف ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ مسجد میں ٹھہر نہیں سکتی۔

عورت کے اعتکاف کے بارے میں اہلِ علم کا راجح موقف یہ ہے کہ وہ بھی مسجد ہی میں اعتکاف کرے گی بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، پردہ کا اہتمام ہو اور شوہر کی اجازت حاصل ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے مسجد نبوی میں اعتکاف کیا۔ [بخاری: 2033]۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے عورت کے مسجد میں اعتکاف کے جواز پر استدلال کیا۔ [شرح مسلم 8/68]۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے واضح کیا کہ عورت کے لیے گھر میں اعتکاف کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔ [مجموع فتاویٰ 15/442]، اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی یہی قول راجح قرار دیا۔ [الشرح الممتع 6/513]

اعتکاف کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کو اللہ کے ساتھ جوڑ لے اور غیر ضروری مشاغل سے کنارہ کش ہو جائے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چونکہ دل کی اصلاح اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سیدھے راستے پر چلنا اس بات پر موقوف ہے کہ دل پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہو اور اس کی پراگندگی سمٹ کر اسی کی طرف جمع ہو جائے اور دل کی پراگندگی کو اللہ کی طرف رجوع کے سوا کوئی چیز جمع نہیں کر سکتی اور چونکہ کھانے پینے کی زیادتی، لوگوں سے زیادہ میل جول، زیادہ گفتگو اور زیادہ سونا دل کو مزید منتشر کر دیتے ہیں اور اسے ہر وادی میں بھٹکا دیتے ہیں، اور اللہ کی طرف سفر کو کمزور یا معطل کر دیتے ہیں؛

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بندوں کے لیے روزہ مشروع فرمایا تاکہ کھانے پینے کی فضولیات ختم ہوں...... اور اعتکاف کو مشروع فرمایا جس کا مقصد اور روح یہ ہے کہ دل اللہ پر ٹھہر جائے، اسی کی طرف مجتمع ہو، اس کے ساتھ خلوت اختیار کرے، مخلوق سے تعلقات کم کر کے صرف اللہ سے تعلق مضبوط کرے، یہاں تک کہ اس کا ذکر، اس کی محبت اور اس کی طرف رجوع ہی دل کے تمام خیالات اور ارادوں کا مرکز بن جائے۔ [زاد المعاد 2/87]۔

لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ وہ وقت کو ذکر، تلاوت، دعا اور تفکر میں صرف کرے اور لغویات، فضول گفتگو اور خصوصاً عصر حاضر میں موبائل و سوشل میڈیا کے غیر ضروری استعمال سے بچے، کیونکہ یہ اعتکاف کی روح کے منافی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ عبادت ہے جو مسجد کے ساتھ خاص ہے۔ ہر ایسی مسجد میں درست ہے جہاں باجماعت نماز ہوتی ہو۔ روزہ اس کی شرط نہیں، لیکن رمضان کے اعتکاف میں روزہ بہرحال ہوتا ہے۔ بلا ضرورت مسجد سے نکلنا اور حالت اعتکاف میں بیوی سے میل ملاپ کرنا اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ عورت بھی مذکورہ شرائط کے ساتھ مسجد ہی میں اعتکاف کر سکتی ہے، گھر میں اعتکاف درست نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

احکام ومسائل

عید کے بعض آداب اور منکرات

● ابوعبداللہ عنایت اللہ مدنی

عیدالفطر کے چند آداب:

① رمضان کے آخری دن غروب آفتاب کے بعد سے لیکر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک تکبیرات پڑھنا مسنون ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَلِتُكۡمِلُواْ ٱلۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُواْ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ ١٨٥﴾ [البقرة:۱۸۵]۔

تاکہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے تکبیرات کے چند ماثور الفاظ یہ ہیں:

الف: ابن مسعود رضی اللہ عنہ (الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد) (ابن ابی شیبہ، 2/168، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو إرواء الغلیل 3/125 میں صحیح قرار دیا ہے)۔

ب: ابن عباس رضی اللہ عنہما (الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد، الله أكبر وأجل، الله أكبر على ما هدانا)۔ (سنن کبری بیہقی، 3/ 315، علامہ البانی رحمہ اللہ نے إرواء الغلیل، 3/125 میں فرمایا ہے کہ اس کی سند بھی صحیح ہے۔

ج: سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر كبيراً)۔ (اسے امام ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن عبدالرزاق کے حوالے سے فتح الباری، 2/462، میں ذکر کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے)۔

د: ابن مسعود رضی اللہ عنہ (الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر ولله الحمد)۔ (مصنف ابن أبی شیبہ، 2/165)۔

② صلاۃ عیدالفطر مشروع ہے اور محققین کی راجح رائے کے مطابق واجب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنۡحَرۡ ٢﴾ [الکوثر:۲]۔

آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

(دیکھئے: المغني، از امام ابن قدامہ، 3/254، والشرح الممتع، از علامہ ابن عثیمین، 5/151-152)۔

③ عید کے دن غسل کرنا اور نئے یا عمدہ کپڑے زیب تن کرنا مسنون ہے۔

④ صلاۃ عیدالفطر کے لئے جانے سے قبل طاق عدد میں کھجوریں کھانا مسنون ہے۔

⑤ عیدگاہ پیدل جانا اور پیدل واپس آنا اور ایک راستے سے جانا

اور دوسرے راستے سے واپس آنا مسنون ہے۔

⑥ صلاۃ عید سے پہلے یا بعد میں کوئی سنت یا نفل نہیں ہے۔

⑦ صلاۃ عید کے لئے کوئی اذان ہے نہ اقامت۔

⑧ عید کے دن چھوٹی بچیوں کا دف بجانا اور کھیلنا جائز ہے۔البتہ موجودہ دور کے فحش گانے، بجانے، میوزک اور رقص وسرود حرام ہیں۔

⑨ عورتوں کو بھی چاہئے کہ حجاب شرعی میں' سینٹ اور خوشبو کے بغیر' سادگی اور حیا وحشمت کے ساتھ عیدگاہ جائیں' راستے میں دھیمی آواز میں تکبیرات پڑھیں، صلاۃ ادا کریں اور خطبہ سنیں۔اسی طرح بچوں کو بھی عیدگاہ لے جانا چاہئے۔

⑩ عید کی مبارکباد دی جاسکتی ہے، جیسا کہ بعض صحابہ سے منقول ہے کہ عید کے دن ایک دوسرے کو ''تقبل الله منا ومنك'' (اللہ ہماری اور آپ کی نیکیاں قبول فرمائے) کہہ کر مبارکباد دیا کرتے تھے۔(فتح الباری لابن حجر، 2/ 446، والمغني لابن قدامہ، 3/ 294، ومجموع الفتاوی لابن تیمیہ، 24/ 253)۔

عید کے دن ہونے والے بعض منکرات:

افسوسناک امر یہ ہے کہ بعض مسلمان خوشی اور شکر الٰہی کے اس مبارک دن میں بھی کچھ منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں، عید کی مناسبت سے سرزد ہونے والے بعض منکرات حسب ذیل ہیں، جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

① قبروں، مزاروں وغیرہ پر جانا، ان سے دعائیں کرنا، مرادیں مانگنا، چادر چڑھانا۔یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔

② شریعت مخالف لباس زیب تن کرنا، جیسے:

ا۔عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا یا مردوں کا عورتوں والے لباس پہننا۔

۲۔مردوں کا ریشم یا شہرت والے لباس پہننا۔

۳۔مردوں کا اپنے کپڑوں کو ٹخنوں کے نیچے لٹکانا۔

③ گانے، بجانے، میوزک سننا سنانا، فلمیں دیکھنا دکھانا وغیرہ۔

④ غرور وتکبر اور گھمنڈ کرنا، اور غریبوں مسکینوں کو حقیر جاننا۔

⑤ اعزاء، اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے بجائے قطع تعلق کرنا۔

⑥ شراب وکباب اور نشہ خوری کی مجلسیں منعقد کرنا یا ان میں شریک ہونا۔

⑦ غیر محارم کے ساتھ خلوت واختلاط کرنا، ان سے مصافحہ کرنا وغیرہ۔

⑧ داڑھیاں منڈانا یا قصر کرنا، حالانکہ یہ یہودیوں کا شیوہ اور طریقہ ہے۔

⑨ کھانے پینے اور پہننے وغیرہ میں بے جا اسراف اور فضول خرچی کرنا، جبکہ ایسا کرنے والوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شیطان کا بھائی کہا ہے۔

ان باتوں کے دلائل کتاب وسنت، اور سیرت سلف میں موجود ہیں، اختصار کے پیش نظر ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔واللہ أعلم، وھو ولی التوفیق۔

آئینۂ جمعیت و جماعت

جمعیت کی دعوتی و تعلیمی سرگرمیاں

ادارہ

مجلہ الجماعۃ کا یہ کالم جمعیت کی دینی، دعوتی و تعلیمی سرگرمیوں کی خبریں آپ تک پہونچاتا ہے، صوبائی جمعیت اپنے مشن و دعوتی کاز کے لئے میدان عمل میں سرگرم ہے، ذیل کے سطور میں آپ مختلف میدانوں میں ہماری مساعی وجہود کو پڑھ سکتے ہیں۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی سرگرمیاں:

9/جنوری 2026ء مسجد و مدرسہ الدار السّلفیہ، سدھارتھ نگر، امبرناتھ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ کا خصوصی درس ہوا جس میں آپ نے ''خواتین کا مقام اور ذمہ داریاں'' جیسے اہم موضوع پر خطاب کیا۔

11/جنوری بروز اتوار صبح ساڑھے نو بجے تا رات 10/بجے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر سرپرستی ایک روزہ ''امت وسط کانفرنس'' مقام انجمن اسلام جنجیرہ اسکول گراؤنڈ مہسلہ رائے گڈھ میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ عبد السلام سلفی (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) منعقد ہوا جس میں شارجہ سے آئے ہوئے مہمان شیخ ظفر الحسن مدنی/حفظہ اللہ کا خصوصی خطاب ہوا اس کے علاوہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ نے بھی قران و سنت کی روشنی میں ''اتحادِ امت اور تقلیدِ ائمہ'' جیسے اہم موضوع پر قیمتی نصیحتیں کیں نیز صدارتی کلمات میں امیر محترم/حفظہ اللہ نے امت وسط کا حقیقی معنی اور مفہوم کو سمجھاتے ہوئے صراط مستقیم پر کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف کی اتباع کرتے ہوئے زندگی گزارنے کی تلقین کی۔

12/جنوری 2026 بروز سوموار بعد نماز مغرب تا عشا مسجد التوحید کھار گھر نوی ممبئی میں ایک دعوتی و دینی، اصلاحی اجتماع کا انعقاد ہوا جس میں شارجہ سے آئے ہوئے مہمان شیخ ظفر الحسن مدنی/حفظہ اللہ نے خطاب کیا نیز امیر محترم شیخ عبد السلام سلفی/حفظہ اللہ نے بھی لوگوں کو قیمتی نصیحتوں سے نوازا۔

17/جنوری 2026ء ''شادی بیاہ میں رسوم ورواج کے نقصانات'' کے موضوع پر مسجد اقصیٰ چیتا کیمپ ٹرامبے، ممبئی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ کا ایک خصوصی درس ہوا۔

18/جنوری بروز اتوار بعد نماز عصر تا 10/بجے شب ضلعی جمعیت اہل حدیث دھاراوی کے جملہ اہل حدیث مساجد کے اشتراک سے منوہر کالج گراؤنڈ سائن میں زیر صدارت شیخ ظفر الحسن مدنی/حفظہ اللہ اور زیر نظامت شیخ عبد الحکیم مدنی/حفظہ اللہ

ایک ''دعوت حق کانفرنس'' کا انعقاد ہوا جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث کے امیر شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ ''منہجی وفکری انحراف اسباب وعلاج'' کے موضوع پر اہم خطابات پیش کیے۔ نیز قطر سے تشریف لائے ہوئے مہمان دکتور عبدالقیوم بستوی رحفظہ اللہ نے گراں قدر خطاب پیش کیا۔ واضح رہے اس دعوت حق کانفرنس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر شیخ اصغرعلی امام مہدی سلفی رحفظہ اللہ نے بھی شرکت کی خطیب کی حیثیت سے شیخ خورشید عالم مدنی (بہار)، شیخ عبدالغفار سلفی (بنارس)، شیخ عبدالحسیب مدنی (بنگلور) نے بھی شرکت کی۔

23رجنوری مدرسہ دارالہدیٰ وٹھل واڑی الہاس نگر میں بعد نماز عصر تا 10ربجے شب منعقدہ ''محاسن اسلام کانفرنس'' میں امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے بحیثیت صدر کانفرنس اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے بحیثیت محاضر کانفرنس شرکت کی اور اپنے محاضرہ بعنوان ''میثاق مدینہ اور غیر مسلموں کے حقوق'' سے لوگوں کو مستفید فرمایا۔

25رجنوری 2026 مسجد مدرسہ اشاعت التوحید امبر ناتھ میں ''تحفظ عقیدہ و منہج کانفرنس'' کا انعقاد زیر صدارت ڈاکٹر عبدالحکیم عبدالمعبود مدنی رحفظہ اللہ ہوا جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی شیخ ڈاکٹر جاوید ندیم مدنی رحفظہ اللہ نے شرکت کی اور اپنا محاضرہ پیش فرمایا۔

25رجنوری بروز اتوار بعد نماز عصر تا 10ربجے شب مسجد و مدرسہ عمر فاروق نارائن نگر گھاٹ کوپر کے بچوں کے سالانہ اجلاس و انعامی مقابلہ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی شیخ فیض الرحمن رحمانی رحفظہ اللہ نے بحیثیت حکم شرکت کی اور حکم کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے نیز آخر میں حاضرین مجلس کو اپنی قیمتی تاثرات اور نصیحتوں سے نوازا۔

25رجنوری 2026ء صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے ''خیر امت کانفرنس'' وانم باڑی، تملناڈو، میں شرکت کی اور قبل نماز ظہر ''مجلس سوال و جواب''، اور بعدہ خطاب عام بعنوان ''ناموس صحابہ تعظیم وتنقیص کے درمیان'' پیش فرمایا۔

26رجنوری 2026ء کو ''مدرسۃ البنات'' وانم باڑی، تملناڈو میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے خطاب عام بعنوان ''نیک عورتوں کی صفات'' پیش کیا۔

30رجنوری بروز جمعہ بعد نماز عصر تا 10ربجے شب جامعۃ التوحید بھیونڈی کے سالانہ اجلاس میں بحیثیت صدر اجلاس شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) اور شارجہ سے تشریف لائے ہوئے مہمان شیخ ظفرالحسن مدنی رحفظہ اللہ نے شرکت کی اور گران قدر نصیحتوں سے نوازا جبکہ اس سالانہ اجلاس کے نظامت کے فرائض ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی شیخ عبدالرشید سلفی رحفظہ اللہ نے بحسن وخوبی انجام دیے۔

31/جنوری 2026ء کو صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ نے سالانہ دینی واصلاحی پروگرام محمدی مسجد گومتی پور، احمد آباد، گجرات میں شرکت کی اور ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وسنت کی اہمیت'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

1/فروری بروز اتوار بعد نماز عصر تا 10/بجے شب الریان اسلامک کلاسز خیرانی روڈ ممبئی کے سالانہ پروگرام میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ناظم شیخ عبدالرشید سلفی/حفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''دینی تعلیم نسل نو کا محافظ'' کے تعلق سے بہترین خطاب پیش فرمایا۔

1/فروری بروز اتوار مسجد دار التربیہ سلیش نگر ممبرا میں شیخ عبدالسلام سلفی (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) کی زیر صدارت سالانہ اجلاس وتعلیمی مظاہرہ کا انعقاد ہوا جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''طلب علم کے آداب'' کے موضوع پر اپنے قیمتی تاثرات پیش فرمائے اور گراں قدر نصیحتوں سے نوازا۔

6/فروری بروز جمعہ مسجد رحیمیہ پونڈ پاڑ اکلوا تھانہ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر سرپرستی وصوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر شیخ عبد السلام سلفی/حفظہ اللہ کے زیر صدارت ایک دینی ودعوتی اجلاس عام کا انعقاد ہوا جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ناظم شیخ عبدالرشید سلفی/حفظہ اللہ نے خطاب کیا اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ نے اپنے موضوع ''حسد کی آگ اور ہمارا سماج'' پر عمدہ خطاب پیش فرمایا۔

7/فروری بروز سنیچر بعد نماز عصر تا 10/بجے شب مسجد ومدرسہ دار الفلاح گوونڈی کے سالانہ پروگرام وتعلیمی مظاہرہ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی شیخ فیض الرحمن رحمانی/حفظہ اللہ نے شرکت کی اور گراں قدر تاثرات اور نصیحتوں سے نوازا۔

7/فروری 2026ء کو صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ نے ایک سیمینار بعنوان: امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ، بمقام مسجد ابراہیم خلیل مینگلور، کرناٹک میں شرکت کی اور ''امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی حقیقی دعوت'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

8/فروری 2026ء کو ایک اصلاحی وتربیتی پروگرام بمقام مسجد اقصیٰ ایروڑا، پونہ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی/حفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''زکاۃ کے بعض بنیادی احکام'' کے موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

8/فروری 2026ء بمقام مسجد ومدرسہ فیض عام، ممبرا میں مکتب کے طلبہ کا سالانہ پروگرام منعقد ہوا اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ناظم شیخ عبدالرشید سلفی/حفظہ اللہ بحیثیت صدر شریک ہوئے اور ''دینی تعلیم کی اہمیت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

10/فروری 2026ء کو ایک اجلاس عام بمقام مسجد ومدرسہ عثمان بن عفان اُورن، رائے گڑھ، نیو ممبئی میں منعقد ہوا جس میں

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''زندگی کی آزمائشیں اور ہماری ذمے داریاں'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

11رفروری 2026 تعلیمی بیداری و اجلاس عام و دستار بندی حفاظ کرام بمقام برڈپور 12 ٹولہ، کٹیا نوگڈھ میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی اور سامعین کو قرآن وسنت کی روشنی میں نصیحتیں کیں اور ساتھ حفاظ کرام کو قرآن سے وابستگی کو مضبوط کرنے کی نصیحت کی۔

13رفروری 2026 صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے راجستھان دورہ کیا اور 13رفروری 2026ء کو خطبہ جمعہ بموقع افتتاح مسجد الکوثر، سیکر راجستھان بعنوان ''اصلاح معاشرہ میں مساجد کا کردار'' کے موضوع پر پیش کیا جبکہ 13رفروری 2026ء کو شیخ کا خطاب عام بعنوان: ''موجودہ دور میں منہج سلف کی اہمیت وضرورت'' منعقد ہوا اسی طرح بمقام مسجد محمدی جھنجھنوں راجستھان، میں شیخ محترم نے ''منہج اہل حدیث اور ہماری ذمہ داریاں'' کے موضوع پر خطاب کیا۔

15رفروری 2026ء جمعیت اہل حدیث سیونی کے زیر اہتمام اجلاس عام بمقام مسجد عمر بن خطاب شاد کالونی، سیونی، مدھیہ پردیش میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کا ایک خصوصی خطاب بعنوان: ''عقیدہ ومنہج سلف کی جھوٹی دعویداری'' ہوا جس سے وہاں کی عوام نے استفادہ کیا۔

15رفروری 2026ء بروز اتوار نزد مسجد دارالسلام ممبرا میں دارالسلام کے طلبۂ مکتب کا سالانہ پروگرام منعقد ہوا اور صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ناظم شیخ عبدالرشید سلفی رحفظہ اللہ بحیثیت خطیب شریک ہوئے اور ''مکاتب و مدارس کی اہمیت وافادیت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

22رفروری 2026ء مسجد اہل حدیث اسلامک پیس فاؤنڈیشن، کوپرکھیرنا، نیوممبئی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کا ایک خصوصی درس ''رمضان کی خصوصی عبادتیں'' کے موضوع پر ہوا۔

28رفروری 2026ء کو خصوصی درس مسجد علی، چیتا کیمپ، ممبئی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کا رکھا گیا جس میں ''صیام وقیام میں ایمان واحتساب کی شرط کیوں؟'' جیسے اہم موضوع پر آپ نے روشنی ڈالی۔

اس کے علاوہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے زیر سرپرستی ممبئی کے مختلف مساجد میں اہم کتابوں کے ہفتہ واری اور پندرہ روزہ دروس جاری وساری ہیں۔ جیسے: ''کتاب التوحید'' مسجد اہل حدیث دارالہدیٰ ساکی ناکہ، ''مسائل الجاہلیۃ'' مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر کرلا، ''شرح السنۃ'' مسجد حسن کوسہ ممبرا، ''سلف صالحین کے اقوال'' مسجد اہل حدیث مومن پورہ، خصوصی درس مسجد اہل حدیث سیلیش نگر، ممبرا، وغیرہ۔

۞ ۞ ۞

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
March-April 2026

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمداللہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشرواشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کررہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

- تربیتی اجتماعات کا انعقاد۔
- علماء وائمہ کے لئے سالانہ دورۂ تدریبیہ
- انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے۔
- ہینڈبل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت۔
- مجلہ الجماعہ کی اشاعت۔
- کتابوں کی مفت تقسیم۔
- مکاتب کا ماہانہ تعاون۔
- ضرورت مند افراد کا تعاون۔
- جلسے اور کانفرنسیں۔
- نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو۔
- مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون اور آسمانی وزمینی آفات پر بھرپور مدد۔

دینی وجماعتی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070
9892255244 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com @JamiatSubai
subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.com majallahaljamaah@gmail.com